شمس العلما علامہ شبلی نعمانیؒ

دیباچہ

(طبع اول)

''الفاروق''، جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے۔ اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا ہے کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اس کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کر گیا' تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا' یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجزاء بھی تیار نہیں ہوئے تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک الفاروق کا بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔

ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اس کی بجائے دوسرے کام چھڑ گئے۔ چنانچہ اس اثنا میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے کوکبہ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوئے اتفاق یہ کہ مجھ کو الفاروق کی طرف سے بے دلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھا لیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں رہ رہ کر اس قدر بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ میں رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا' بالآخر ۱۸ اگست ۱۸۹۴ء کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سدراہ ہوتے رہے' یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آ گیا' لیکن چونکہ کام کا یہ سلسلہ مطلقاً بند نہیں ہوا اس لیے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لیے آرام لیا۔

شکر   کہ   جمازہ   بمنزل   رسید

زورق　　　　اندیشہ　　　　بساحل　　　　رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان کے ملکی و مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصہ مصنف کی سعی و محنت کا ''تماشا گاہ'' ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگر چہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور بنائیں لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس وادی کا مرد میدان نہیں کاپیوں کے دیکھنے میں ہمیشہ میری نگاہ سے غلطیاں رہ جاتی ہیں اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا' لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہر حال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئے گا مثلاً اضافت کی حالت میں ''مکہ'' ارو''مدینہ'' کے بجائے ''مکے'' اور ''مدینے'' اور جمع کی حالت میں ''موقع'' اور ''مجمع'' کی بجائے ''موقعے'' اور ''مجمعے'' لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے بلکہ کاپی نویس کا ہے اور وہ اس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی مجمع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنف بہت بڑے مترجم بہت بڑے زبان دان ہیں' اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علم وفنون کے بہت بڑے مربی اور سر پرست ہیں۔

اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل

الدین خانہ سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک سر وقار الامراء بہادر کے سی آئی ای مدار المہام دولت آصفیہ خلد ہا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پرنور رستم دوران، افلاطون زمان، فلک بارگاہ سپہ سالار، مظفر الملک فتح جنگ ہز ہائنس نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے گا جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتدا سے جو التفات و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اس وقت موجود ہیں، اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب ''تمدن عرب'' جس کی شہرت عالم گیر ہو چکی ہے اسی سلسلے کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو سنہ ۱۸۹۶ء میں جناب ممدوح کی پیش گاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی، اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔ اسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے، جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر بنو امیہ کے زمانے تک ہر وہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے۔ جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہوتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا، اس لیے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقام اعظم گڑھ

دسمبر ۱۸۹۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ اول

ای	ہمہ	در	پردہ	نہاں	راز	تو
بی	خبر	انجام	ز	آغاز	تو	

الحمد اللہ رب العالمین والصلاۃ علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

تمہید: تاریخ کا عنصر

تمدن کے زمانے میں جو علوم وفنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام وخاص سب ان سے کام لیتے تھے لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔تاریخ وتذکرہ بھی اسی قس کا فن ہے۔دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا تاریخ وتذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر وترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔تفریح اور گریم صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی لڑائیوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات ورسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں اور یہی چیز تاریخ و تذکرہ کا سرمائع ہیں۔اس بنا پر عرب عجم، ترک، تاتار، ہندی، افغانی، مصری اور یونانی غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا یکساں دعویٰ کر سکتی ہیں۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخ سلسلے سے تعلق تھا۔ جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی کیفیت یہ تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے ام اوران کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کوئی سروارک نہ تھا اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے۔ اور حقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتدا

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے پادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کررائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصرح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لیے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۶۰ ھ کے زمانے میں عبید بن شربہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب وعجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کیے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک

کتاب کا نام کتاب الملوک واخبار المضامین لکھا ہے۔غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔عبید بن شربہ کے بعد عوانۃ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ کا نام ذکر کرکے قابل ہے جو اخبار وانساب کا بڑا ماہر تھا۔اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنوامیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔سنہ ۱۱۷ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے حک سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلو سے عربی میں کیا گیا اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلی تصنیف

۱۴۳ھ میں جب تفسیر حدیث اور فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ہمارے مورخین کا دعویٰ ہیکہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن المتوفی ۱۴۱ھ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغازی قلم بند کیے تھے۔موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا تھا۔اس لیے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا کیے۔ج میں ابو مخنف کلبی' واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام' قریش کے پیشے' قبائل عرب کے مناظرات' جاہیت اور اسلام کے احکام کا توارد۔ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔

رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہوگیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدید تھا۔

قدیم مورخین

اس دور میں بے شمار مورخ گزرے۔ان میں جن لوگوں نے التخصیص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں کتابیں لکھیں۔ان کی مختصر سی فہرست یہ ہے۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی	غزوات نبویؐ	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی کا حال	
سیف بن عمرالاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد الستاذ تھے
عبداللہ بن سعد زہری المتوف ۳۸۰ھ	فتوحات خالد بن ولید	
ابوالبختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔

ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی المتوفی ۲۲۴ھ		اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی، اسماء الخلفاء کتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا۔
عبدالرحمٰن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مورخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب امراء الکوفہ و کتاب امراء البصرۃ	مشہور مورخ تھا۔

۱؎ موسیٰ بن عقبہ کے لیے تہذیب التہذیب اور مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو۔

قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں لکھی گئیں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے نام کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ المتوفی ۲۷۶ھ یہ نہایت نامور مورخ اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبر کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب ''معارف'' ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں

میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطّوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۸ ہجری میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے۔ اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الراویۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اس نے ایک کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط وتفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بسند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات بن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف تھا۔ چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لیے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم نہ پہنچا سکا اس کی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ ورجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان انساب الاشراف۔ پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد کت کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بھی ہیں۔فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور الانساب لاشراف کا قلمی نسخہ، قسطنطیہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ کے امام مانے جاتے ہیں چنانچہ آئمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۸۶ھ فن تاریخ کا امام ہے۔اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔وہ دنیا کی قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بد مذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے۔

مورخین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے۔پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے۔جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔متاخرین میں اگرچہ بے شمار مورخ گزرے جن میں سے ابن الاثیر سیمعانی ذہبی ابوالفدا، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

قدما کی خصوصیتیں

قدماء کی جو خصوصیات تھیں کھودیں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی، مثلاً قدماء کی ای یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی

قدیم تصنیف سامنے رکھی اور بغیر اس میں کچھ اضافہ کر سکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے اور در حقیقت اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زائد نہیں مل سکتی۔ اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وھلم جرا

اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدماء کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدماء میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدماء میں یہ تھی کہ وہ گرچہ کسی عہد کی معاشرت وتمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن ومعاشرت کا کچھ کچھ پتا چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح وستائش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لیے جو سرمایہ کام آ سکتا تھا۔ وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ وتذکرہ کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کارآمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے

حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے ''ان واقعات اور حالات کا پتا لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔'' یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن معاشرت خیالات مذاہب موجود ہیں سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہییے تھے۔ اس لیے ان گزشتہ واقعات کا پتا لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کے لیے کیا کیا چیزیں لازم ہیں؟

ان تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لیے دو باتیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کیے جائیں۔ یعنی تمدن معاشرت' اخلاق' عادات' مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جئے۔ دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایات کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا۔ فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہی لیکن اس میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا۔ ایشای میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا ہے اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں۔ اس کا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت وجلال ک سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی۔ اس لیے سلطنت کے اصول اور

آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب ی ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ کے ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لیے فلسفہ تاریخی کے اصول ونتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث وسیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ درایت پر بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا ہے نہ لیے جانے کے برابر تھا۔ اخیر اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول وآئین منضبط کیے۔ لیکن اس کو اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزلی کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرح خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں نا تمامی رہا یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں۔ ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے انتظامی امور قانون سے اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مورخ اگر ان تمام علوم کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک اعامی کی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ گر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشاء پرداز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دل کش پیرائے میں کر دے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن وخوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے لیکن اگر اس کے بیان میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتد بہ اطلاع حاصل نہیں ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون دان نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ

اصول قانون، اصول سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب وعلل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ ہے کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہوسکتا ہے؟

واقعات کی صحت کا معیار

واقعات جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں روایت اور درایت

۱۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کی جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

۲۔ درایت سے مراد یہ ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اس کو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری، فتوح البلدان، طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح وتعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے۔ چنانچہ ابن حزم ابن القیم خطابی ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیک انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادة و قواعد السیاسة و طبیعة العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والاحاضر بالذاهب فربما لم یومن فیها من العثور

”خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کرلیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیے پہلے راویوں کی جرح وتعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیا کیے گئے ہیں ان کی آج کہاں تک تلافی کی جاسکتی ہے یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے

ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئیں ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغہ قضا کے متعلق ان کا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔

عقد الفرید و کتاب البیان و التبیین للجاحظ

میں ان کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں ان کے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔[1]

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لیے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا ہے۔

---

[1] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور تاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین اخبار القضاۃ اور محاسن

الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں جو اصول ہمارے کام آ سکتے ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کے قیاس اور رائے کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا نہیں اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانہ کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

اصول درایت سے جن امور کا پتا لگ سکتا ہے؟

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں لیکن جب اسب ات کا لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پ رنظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں ل تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب برتا گیا ہے اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج' تاریخ طبری وغیرہ) میں یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے۔

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیر و تذلیل کے لیے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا تھا۔ لیک زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے۔ چنانچہ اس کی مفصبل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں فدک قرطاس سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر ابن سعد' بیہقی' مسلم' بخاری سب نے نقل کیے ہیں لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر

تفصیل سے آئے گا۔

انہی اصول عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریری آئے۔ اس بنا پر یہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلات مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی پہلوانوں کے داؤ پیچ۔ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے ہیں۔ اس یے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کیے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے۔ اور انکی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لیے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے ان کو شہرت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حکومت آمیز منقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیے کہ جو فقرے زیادہ پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح و بلیغ مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا مدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص ندرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے ان کا ذکر آ جاتا ہے ان کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مورخین رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں۔ بایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حال میں عدالت پولیس بندوبست مردم شماری، وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آ جاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جس قدر قلم بند ہوا اس سے بہت زیادہ

چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد و تقشّف‘ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے جو حلیۃ الاولیاء ابن عساکر‘ کنزل العمال‘ ریاض النضر وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے۔ اس لیے ان میں خود بخود مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی بلیے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضر ۃ و ابن عساکر حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظرانداز کیا ہے۔

تاریخ کا طرز تحضریر

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنھوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پردازی سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھ کر کوئی اور طرز مقبول عام نہیں ہوسکتا۔

تاریخ اور انشاء پردازی کا فرق

لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاء پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کی ہئیت‘ شکل سمت‘ جہت‘ اطراف‘ اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائے گا جن میں کوئی خاص اعجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم وسہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر

دے گا لیکن ایک انشاء پرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بے کسی اور رستم کی ندامت وحسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آج کل جو بڑا مورخ گزرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے' رینگی ہے۔اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا' وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرف دار ہوا۔کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔

یہ امر بھی جتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب وعلل کے سلسلے کرنے کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔اسباب وعلل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔اس لیے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کردے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کرسکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیے ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کرسکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

☆ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت آسکتے ہیں۔اس لیے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آگئے ہیں اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے' وہاں ان عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

☆ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے کہ جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

☆ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفاء اور ریاض النضرۃ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی تھی۔غرض کئی برس کی سعی ومحنت اور تلاش وتحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مہر خموشی برلب

کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم

پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان بنمود

لختے از ذوق خودش نیز تماشا کردم

محفل از بادہ دو شینہ نیا سودہ ہنوز

بادہ تندتر از دوش بہ مینا کردم

باز خواہم کہ دمم درتن اندیشہ رواں

من کہ در یوزۂ فیض از دم عیسیٰ کردم

ہم نشین نکتہ حکمت ز شریعت می جست

لختے از نسخہ روح القدس املا کردم

شاہد راز کہ کس پردہ زرویش نگرفت

گرہ از بند قبائش بہ فسوں وا کردم

بسکہ ہر بار گہر پاش گزشتم زین راہ

دشت معنی ہمہ پر لولوے لالہ کردم

☆☆☆

نام ونسب' سن رشد وترتیب

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قروط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارہوں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ انہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا اور ان کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے ب گئے یعنی ہاشم' امیہ' نوفل' عبدالدار' اسد' تیم' مخزوم' عدی' جمح اور سہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی حضرت مرۃ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے۔ اس لیے دنیوی جاہ وجلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی ان پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے اور ہر صیغے کا اہتمام جد جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی گرانی' حجاج کی خبر گیری' سفارت شیوخ قبائل کا انتخاب' فصل مقدمات' مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جداعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے ۔ اس کے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں بھی ثالث یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی ایک کو افضلیت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا۔ اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ

مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کیے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور زور تقریر کا بھی جوہر درکار ہوتا تھا۔

---

[1] یہ تمام تفصیل ''عقدالفرید'' باب فضائل العرب میں ہے۔

یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جد امجد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کا نہایت ہی قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی مرتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے۔

اتنافر رجلا هو اطول منك قامة و اوسم و سامة و اعظم منك هامة و اكثر منك والدا و اجزال منك مفدا و انى ا قول هذا و انك لبعيد الغضب رفيع الصوت فى العرب جلد المريرة لجبل لعشيرة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادر عم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے عمرو خطاب عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیک ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحد بن گئے تھے ان میں زیاد کے سوا باقیوں کے نام یہ ہیں۔ قس ب ساعدہ ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو اعلانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب

دلاتے تھے اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ مکرمہ سے نکل گئے اور حراء میں جا رہے۔ تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا انداز ہو سکتا ہے۔ دو شعر یہ ہیں:[1]

ار	با	واحدا	ام	الف	رب
ادین		اذا		تقسمت	الامور
ترکت		اللات		والعزیٰ	جمیعا
کذالک		یفعل		الرجل	البصیر

---

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ کتاب الاوائل اور المعارف لابن قتیبہ میں ملے گا۔

''ایک اللہ کو مانوں یا ہزاروں کو جب کہ امور تقسیم ہو گئے۔ میں نے لات وعزیٰ (بتوں کے نام تھے) سب کو خیر باد کہا ار سمجھ دار آدمی ایسا ہی کرتا ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے[1]۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمّس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ عبد الشمّس کا خاندان بڑا تھا اس لیے غلبہ انہیں کو رہتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اس پر بھی مخالفوں نے بڑے زور کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے:

ابو	عدنی	ابو	عمرو	ودونی
رجال		لا	ینھنھا	الوعید

رجال من بنی سھم بن عمرو

الی ابیاتھم یاوی الطرید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں ان کو بتمامہا نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ مکرمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے بنوسہم سے تعلق پیدا کیا تو امکانات بھی انھین کے ہاتھ میں بیچ ڈالے لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا و مروۃ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس کو ڈھا کر حاجیوں کے اترنے کے لیے میدان بنا دیا لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے قبضے میں رہیں[2]۔

خطاب نے متعدد شادیاں کیں اونچے اونچے گھرانوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ماں ج کا نام ختنمتہ تھا ہشام بن المغیر ہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلے سے لڑنے کے لیے جاتے تو فوج کا اہتمام انہی کے ذمے ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ ک بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

---

[1] کتاب المعارف لابن قتیبہ۔

---

[2] تاریخ مکہ للازرقی ذکرر باع بنی عدی بن کعب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولادت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں

بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً ایک غل اٹھا دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جس کا یہاں نقل ہونا موزوں نہ ہوگا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر خطاب ان کے باپ نے اکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب بہت بے رحمی کے ساتھ ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اروجب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اس کا نام ضبنان تھا جو مکہ مکرمہ سے قریب قدیرس ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو ان کا نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہوکر فرمایا اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا آج یہ دن ہے کہ اللہ کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں ہے[1]۔

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریفانہ شغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں نسب دانی سپہ گری، پہلوانی، اور مقرری تھی نسب دانی کا فن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوران کے باپ اور دادا نفیل تینوں بہت بڑے نساب تھے[2]۔ غالباً اس کی وجہ ی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں جیسا کہ ہم نے ابھی لکھ آئے ہیں کہ

فارت اور فیصلہ منافرۃ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے وران کو انجام دینے کے لیے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

۱؎ طبقات ابن سعد

۲؎ طبقات ابن سعد (مطبوعہ مصر) صفحہ ۱۱۷، ۱۲۲

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں ہر سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے تھے۔ اس لیے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذیبانی حسان بن ثابت، قس بن ساعدۃ، خنساء جن کو شاعری اور ملکہ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا اسی تعلیم گاہ سے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت علامہ بلازری نے کتاب الاشراف میں بسند یہ روایت نقل کی ہے کہ عکااظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فن پر پورا کمال حاصل تھا۔

شہسواری کی نسبتت ان کا کمال عموماً مسلم ہے۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرع شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ چیدہ اشعار ان کو یاد

تھے۔اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت ہ میں عکاظ کی تعلیم گاہ سے حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معبوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب تھے[۱]۔

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا۔ وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے۔ خودداری بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف، جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انہی سفروں کی بدولت تھے۔

---

[۱] فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۷۱

ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ:

ولعمر بن الخطاب اخبار كثيره فى اسفاره فى الجاهلية الى الشام والعراق مع كثير من ملوک العرب و العجم وقد اتينا على مبسوطها فى كتابنا اخبار الزمان و كتاب الاوسط

"عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کیے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے

بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے

تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اگر چہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہوچکیں میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاری دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے ان کو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جو ہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پر خطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معبوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لبینہ ان ے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے

لوں پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کر لیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا:

آمد آں یارے کہ ماے خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ "محمد کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں"۔ انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر ہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب ان کے دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے بدن سے خون جاری تھیا۔ یہ دریکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہ نے قرآ کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیے۔ اٹھا کر دیکاھ تو یہ سورۃ تھی۔

سبح لله ما فى السموت والارض وهو العزيز الحكيم

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

آمنو بالله ورسوله

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے اور اس واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا کہ کیوں عمر کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا ہوا۔ اس وقت تک اگرچہ ۴۰، ۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ رضی اللہ عن سید الشہدا نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی اعلانیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔ کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کا ہے:

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتیٰ صلی عند الکعبہ و صلینا معہ

''جب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال پیش آیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی' غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب ای جماعت کثیر کے حلقے مین آ گئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا۔حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس کو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اس کی تفصیل ایک نہایت دردانگیز داستان ہے۔

---

[1] انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد الغابہ وابن عساکر وکامل بن الاثیر

اسی اثنا میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبداللہ بن اشہل رضی اللہ عنہ' پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ' اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا رخ کیا۔صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے۔لیکن ناموں کی تفصیل نہیں۔ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطابؓ ،سعید بن زید بن خطابؓ،خنیس بن حدافہ سہمیؓ ،عمرو بن سراقہؓ ،عبداللہ بن سراقہؓ ، واقد بن عبداللہ تمیمیؓ ،خولیٰ بن ابی خولیٰؓ ، مالک بن ابی خولہؓ، ایاس بن بکیرؓ، عاقل بن بکیرؓ، عامر بن بکیرؓ، خالد بن بکیرؓ، ان میں سے زیدؓ حضرت عمرؓ کے بھائی سعیدؓ بھتیجے خنیسؓ داماد اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔مہاجرین زیادہ تر قباء (جو مدینہ سے تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہیں رفاعہؓ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھہرے۔قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۱۳ نبوی میں خود جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔انصار و بلا کران مین اور مہاجرن میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا' انصاری کو اپنی جائیداد مال اسباب نقدی اور تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔اس طرح تمام مہاجرین اور نصار بھائی بھائی بن گئے۔اس رشتہ کے قائم کرنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اسی رتبے کے انصاری کو اس کا بھائی بناتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا گیا ان کا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر صحابہؓ نے قباء میں ہی قیام رکھا۔ حضرت عمرؓ بھی یہی مقیم رہے لیکن ی معمول کرلیا کہ ایک دن ناغہ دے کر بالالتزام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا جاتا کہ ان کے برادر اسلامی عتبان بن مالکؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے حضرت عمرؓ سے جا کر روایت کرتے۔ چنانچہ بخاریؒ نے متعدد ابواب مثلا باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ میں پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معین کیے جائیں کیونکہ مکہ مکرمہ می جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ زکوۃ نماز جمعہ نماز عید صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نماوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی معین نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لیے صحابہؓ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی کہ یہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آ نکلے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی کو علان کرنے کے لیے کیوں نہ مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۲۔

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام اا یک بڑا اشعار ہے حضرت عمرؓ کے یے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (صفحہ ۳۲۱) میں عتبان کی بجائے اوس بن خول کا نام لکھا ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصابہ میں ابن سعد کے حوالہ سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس ابن خولی کا جہاں حال لکھا ہے حضرت عمرؓ کی اخوت کا ذکر نہیں کیا۔

[2] صحیح بخاری کتاب الاذان۔

۱ہجری (۶۲۳ء) تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوات و دیگر حالات

۱ھ (۶۲۳ء) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک حضرت عمرؓ کے واقعات و حالات

درحقیقت سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجزاء ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو لڑائیاں پیش آئیں غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کیے گئے اشاعت اسلام کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئیں' ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدل جاتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے یہ کارنامے گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لیے جب قلم بند کیے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی قرار پائے گا اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے۔ اس لیے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات نہایت اختصار سے لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تفصیل نہ دکھائی جائے اس کی اصلی شان قائم نہیں ہوتی۔ تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائے گا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملے ک تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا صرف اس قدر رہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر پر کران کو روکنے کے لیے تھوڑی تھوڑی فوجیں بھیجیں اور وہ وہیں رک گئے۔

غزوہ بدر ۲ھ

ہنہ ۲ھ (۶۲۴ء) مین بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آ رہا تھا۔ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امنڈ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہوسکتی اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں:

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ماتبیین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکتہ تکون لکم (۸/ انفال : ۵،۶،۷)

”جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ) سچائی پر نکالا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا‘ وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھ بعد میں اس کے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی۔ گویا کہ وہ موت کی

طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں جب کہا اللہ دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے‘‘۔

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ:

(۱) جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے

(۲) مدینے سے نکلتے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکۃ یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلے میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلے میں کسی طرح موت کے منہ میں جانا خیال نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلے کو لوٹنے کے لیے نکلتے تو اللہ تعالیٰ ہرگز قرآن مجید میں نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸ رمضان ۲ ھ کو آنحرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۱۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریبا ۶ منزل ہے معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے قریش کی طرف سے ۷۰ مقتول اور ۸۰ گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل عتبہ بن ربیعہ شیبہ اور بڑے بڑے رؤسا مکہ تھے اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمرؓ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و باز و رہے لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں:

ا۔ قریش کے تمام قبائل اس معرکے میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے سے ایک متنفس بھی جنگ میں شریک نہیں ہوا۔[۱] اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے کہ صرف حضرت عمرؓ کے رعب وداب کا اثر تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے قبیلہ اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے جن کے نام یہ ہیں: زید، عبداللہ بن سراقہ، عمرو بن سراقہ، واقد بن عبداللہ خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، عاقل بن بکیر، خالد بن بکیر اور ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہم

۳۔ سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مرجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔[۲]

۴۔ عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔[۳] یہ با حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معالمت میں قرابت اور محبت کا اثر بھی ان پر غالب نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثل ہے۔ اس معرکے میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص بن الربیع، ولید بن الولید، ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مبارکہ سودہ کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں کہ

اعطیتم بایدیکم ھلامتم کراما

تم مطیع ہو کر آئے ہو شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے۔

قیدیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے

اس بنا پر یہ بحث ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے رائے لی اور لوگوں کی مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہ بھائی بند ہیں اس لیے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

ا؎ طبری کبیر میں ہے الم یک بقی من قریش بطن الا انفر منھم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج رجل واحد ص ۱۳۰۷

۲؎ ابن ہشام ص ۴۹۰

۳؎ ابن ہشام ص ۵۰۹ واستعیاب

حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ داروں اور قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور س طرح کہ م میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے۔ علیؓ عقیل کی گردن ماریں حمزہؓ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں ا؎۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما کان لنبی ان یکون الہ اسریٰ حتیٰ یشخن فی الارض

(۸/الانفال:٦٧)

''کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب
تک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرے۔''

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف دشمن کو مدد نہ کریں گے اور کوئی دشمن

مدینہ پر چڑھ آئے گا تو مسلمانوں کی مدد کریں گے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے فتح یاب ہو کر آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال سنہ ۲ ہجری میں ان پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتدا اسی سے ہوئی تھی۔

غزوہ سویق

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا غسل تک نہ کروں گا۔ چنانچہ ذوالحجہ ۲ ھ میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا اور ان کو قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔

---

[۱] طبری ص ۱۳۵۵

اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳ ھ (۶۲۵ء) میں جنگ احد کا مشہور واقع پیش آیا۔

غزوہ احد ۳ ھ

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور بہت سے سردار قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں کنانہ ار تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ن سب کا سپہ سالار بڑے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکلا اور ماہ شوال بدھ کے دن مدینہ منورہ کے

قریب پہنچ کا قیام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے لیکن صحابہؓ نے نہ مانا اور آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ میمن کے افسر خالد بن ولید اور میسرہ یک عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اس وقت تک یہ دونوں صاحب اسلام نہیں ہوئے تھے) ادھر کل سات سو آدمی تھے جن میں سو زرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ مدینے سے قریباً تین میل پر احد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جبیرؓ کو 50 تیراندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر معین کیا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی پھر عام جنگ شروع ہوئی حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ ابودجانہؓ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور ان کی صفیں الٹ دیں لیکن فتح کے بعد لوگ غیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوئے۔ تیراندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتہً عقب سے بڑے زور کا حملہ کیا مسلمان چونکہ ہتھار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔ اسی برہمی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مارے گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور متزلزل کر دیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہؓ ثابت قدم رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ احد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہؓ رہ گئے تھے۔ نسائی

اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہؓ کے سوا اور کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ رہا تھا محمد بن سعد نے چودہ آدمیوں کا نام لیا ہے اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔[1] حافظ ابن الحجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتہً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہا تھا وہیں رہ گیا پھر جس جس کو موقع ملتا گیا وگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچتے گئے۔ تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدنے سے ادھر دم نہیں لیا مدینہ آ کر دم لیا کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے علامہ طبری نے بسند متصل جس کے رواۃ بن حمید سلمہ محمد بن اسحاق، قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضرؓ نے حضرت عمر اور طلحہؓ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا تو مایوس ہو گئے تو پوچھا کہ کیا بیٹھے کیا کرتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو شہادت پائی۔ انسؓ بولے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت پائی۔[2] قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضرؓ میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزری؟ میں نے کہا میرا خیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوئے۔ انسؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید تو ہوئے اللہ تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔[3] ابن ہشام میں ہے کہ انسؓ نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

---

[1] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ میں ہے۔

[2] طبری ص ۱۴۰۴

۳؎ کتاب الخراج ص ۲۵

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہؓ کا نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہ رہا تھا۔ بہرحال یہ تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدان جنگ سے نہیں ٹلے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت اقدس میں پہنچے۔ طبری اور سیرت بن ہشام میں ہے:

فلما عرف المسلمون رسول الله نهضوا به ونهض نحو الشعب معه علی بن ابی طالب و ابوبکر بن ابی فحافه و عمر بن الخطاب و طلحه ابن عبيد الله الزبير بن العوام والحارب بن صمه

''پھر جب مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے اس وقت آپ کے ساتھ علیؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ زبیر بن العوام اور حارث بن ضمۃؓ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں یہ لکھا:

وكان ممن انكشف يوم احد فغفر له

''یعنی حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن اللہ نے ان کو معاف کردیا''۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص نے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہؓ ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا

باپ احد کی لڑائی مین ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایتہً غلط ہے کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کوئی کوئی شخص اعلانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے ان میں عباس بن عبداللہ الباکسائے اور غنیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تیس صحابہؓ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالدؓ کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ یا اللہ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔[1]

ابوسفیان سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں یا نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے رہا نہیں گیا پکار کر کہا او اللہ کے دشمن ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے کہا اع ھبل یعنی اے ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا جواب دو (اللہ اعلیٰ و اجل) یعنی اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔[2]

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حفصہؓ کا نکاح جاہلیت میں خنیس ب خذافہؓ کے ساتھ ہوا تھا خنیسؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں چنانچہ شعبان ۳ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہؓ سے نکاح کیا۔

واقعہ بنونضیر ۴ھ (۶۲۶ء)

۴ھ (۶۲۶ء) میں بنونضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنوقینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم سے مدینے سے نکال دیے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ۴ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک معاملے میں استعانت کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سر پر پتھر کی سل گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوگئی۔ آپ اٹھ کر چلے گئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔

۱؎ سیرت ابن ہشام ص ۶۷۵ و طبری ص ۱۴۱۱

۲؎ سیرت ابن ہشام ص ۶۸۲ و طبری ص ۱۴۱۷

انہوں نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر قابو پا کر جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور

وہاں حکومت قائم کر لی[1]۔

جنگ خندق یا احزاب ۵ ھ (۶۲۷ء)

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق کنانتہ بن لربیع اور حی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتقام لینا چاہ۔ مکہ مکرمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی کہ قبائل عرب کا دورہ کیا اور تمام ممالک میں ایک آگ لگا دی۔

چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور شوال ۵ ھ میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے سے باہر نک کر سلع[2] کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لیے کفار کو اس کی کچھ تدبیر بن نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غرض سے خندق کے ادھر کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائے ایک حصے پر حضرت عمرؓ متین تھے چنانچہ یہاں ان کے نام کی مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ وار زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی۔[3] ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے کا موقع نہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانچ سو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بدلی پیدا ہوئی ادھر نعیم بن مسعود جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی کچھ خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے

قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوادی۔

[1] طبری ص ۱۳۵۲

[2] یہ مدینے سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے

[3] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔

مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

واقعہ حدیبیہ ۶ ھ (۶۲۸ ء)

۶۲۸ء ۶ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لیے۔ جب مکہ مکرمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آ کر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ن چاہا کہ اکبر صحابہؓ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمانؓ کے عزیز و اقارب ہیں اس لیے ان کو بھیجنا مناسب ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

یہ سن کر صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعت الشجر ہ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں

لقد رضی اللہ عن المومنین اذبیا یعونک تحت الشجرۃ (۴۸/ سورۃ الفتح ۱۸)

اسی واقع کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اس کو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں عبداللہ بن عمرؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں انہوں نے بھی جا کر بیعت کی۔ حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ ہو ہتھیار سج رہے ہیں عبداللہؓ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اسی وقت اٹھے اور جا کر رسول اللہصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے ردو بدل کے بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے گی اور اس اثناء میں قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو اپنے پاس روک لیں اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں تھی حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے؟ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ کرتے ہیں اسمیں مصلحت ہو گی لیکن حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک ہوں

حضرت عمرؓ کیا ہمارے دشمن مشترک نہیں ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک ہیں۔

حضرت عمرؓ پھر ہم مذہب کو کیوں ذلیل کریں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگر چہ خلاف ادب تھا۔ چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لیے روزے رکھے نمازیں پڑھیں خیرات دی غلام آزاد کیے[1] تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا وار اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کے جن میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد کیا ۔راہ میں سورۃ فتح نازل ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج تک ایسی صورت نازل نہیں ہوئی۔ جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں:

انا فتحنا لک فتحا مبینا[2] (۴۸ / الفتح : ۱)

---

[1] طبری صفحہ ۱۵۴۶

---

[2] صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ

محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات

روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے اٹھارہ برس قبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے[1]۔ جس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کی تھی اور ابتدا میں حضرت عمرؓ کی فہم میں نہ آسکی وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا

اس زمانے تک وہ کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تمسکوا بعصم الکوافر (۶۰/ الممتحنہ: ۱۰)

تو یہ امر ممنوع ہو گیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جرول تھا۔ ان دونوں کے طلاق لینے کے بعد حضرت عمرؓ نے جمیانہؓ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھی نکاح کیا۔ حضرت عمرؓ کے فرزند عاصمؓ انہی کے بطن سے تھے[2]۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطین اور والیان ممالک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

جنگ خیبر ۷ھ (۶۲۹ء)

۷ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوئے۔ ا ہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے سنہ ۵ھ میں قریش کو جا کر بھڑکایا اور ان کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۶ھ میں قبیلہ بنی سعد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علیؓ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانچ سو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے[3]۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا۔ چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی

قبیلہ نے سدراہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضرور تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۷ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو پیدل اور دوسو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لیے تھے۔ مثلاً حصن ناعم، حصن قموص، حصن صعب وطیح اور سلالم۔ یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح وسلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے پھر حضرت عمرؓ مامور ہوئے وہ برابر دو دن تک جا کر لڑے لیکن دونوں ناکام رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہؓ علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امید میں بڑے ساز وسامان کے ساتھ ہتھیار سج سج کر آئے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضاوقدر نے یہ فخر حضرت علیؓ کے لیے اٹھا رکھا تھا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علیؓ کو بلا کر علم ان کو عنایت فرمایا مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خیبر کی زمین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمرؓ کے حصے میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔ وَچنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

فتح مکہ

۸ھ (۶۳۰ء) میں مکہ فتح ہوا۔ اس کی ابتدا یوں ہئی کہ حدیبیہ می جو صلح قرار پائی تھی۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور خاندان بنوبکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے لیکن چند ہی روز کے بعد بنوبکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے ان کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔ تب بھی ان کو پناہ نہ ملی۔ خزاعہ نے جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ ابوسفیانؓ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیے مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کے لیے درخواست کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ معاملے کو طے کرا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں اور رمضان ۸ھ میں دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام الظہر ان میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے۔ ادھر سے ابوسفیان آ رہا تھا۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ آؤ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں۔ ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اس کی سفارش کے لیی جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے' اجازت دیجیے اس کی گردن ماردوں حضرت عباسؓ نے

کہا کہ عمرؓ ابوسفیان اگر عبدمناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس طرح کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی۔ جب آپ اسلام لائے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے جاہ وجلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہوکر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہائے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمہیں عورتوں نے انہیں کے ہاتھ پر رسول اکرمؐ سے بیعت کی۔

غزوہ حنین

اسی سا ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین[1] کے نام سے مشہور ہے ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کی رقابت کو نگاہ سے دیکھتے آئے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں وار جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑے سروسامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ڈالے۔[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ [3] حنین میں دونوں فوجیں صف آراء ہوگئیں مسلمانوں نے پہیل حملے میں حوازن کو بھگا دیا۔[4] لیکن جب غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گ ء اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے

معدودے چند کے سوا باقی تمام بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہؓ ثابت قدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی وسیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے۔

وبا پیغامبر چندتن از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند مثل ابوبکر و علی و عمر و عباس ؓ[4]

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ہوازن کے ۶ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

---

[1] حنین عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو دس میل ہے۔

[2] تاریخ طبری

[3] صحیح مسلم غزوہ حنین

[4] ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبان فارسی میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ ترجمہ ۶۱۲ ہجری میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اس کا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

۹ھ (۶۳۱ء) میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا۔ اس لیے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں

پیش ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر مال واسباب میں سے آدھا لا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا[1] غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لیے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے اس لیے تمام کو نہایت رنج وافسوس تھا۔ تاہم کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہیں ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لیے آیا ہوں۔ اللہ کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو میں جا کر حفصہؓ کی گردن مار دوں۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً بلا لیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں حضرت عمرؓ نے کہا تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجزت دیں تو ان کو یہ مژدہ سنا آؤں۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انہیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمرؓ تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے یہو یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔

۱۰ھ (۶۳۲ء) میں تمام اطراف سے نہایت کثرت سے سفارشیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔ اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لیے مکہ مکرمہ جانے کا قصد کیا اور حج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا۔

۱۱ھ (۶۳۳ء) ماہ صفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں کے مقابلے کے لیے اسامہ بن زیدؓ کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں۔ لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہو گئے ور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

ا ترمذی اور ابوداؤد میں یہ واقعہ فضائل ابوبکر کے تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعین نہیں ہے۔

۲ صحیح مسلم باب الطلاق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بہ سند صحیح دن کی تعداد بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ ا بیماری کی حالت یکساں نہ تھی۔ کبھی بخار کی شدت ہو جاتی اور کبھ اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبعیت اس قدر بحال تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ تمہارے لیے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) روایت میں ھجر کا للفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور

سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد وغم خواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیے اس میں سہو وخطا کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا ہے۔ نعوذ باللہ۔

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا اس لیے اصل مسئلہ نا منفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہوگئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسان عوارض میں ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔

---

۱ فتح الباری جلد ۸ ص ۹۸

یہاں دراصل یہ امر قابل غور ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم وبیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

۲۔ کاغذ وقلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار دن تک بیمار رہے۔

۳۔ اس تمام مدت بیماری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اور کوئی واقعہ

اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں۔

۴۔ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہؓ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) دبایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵۔ عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۳۔۱۴ برس کی تھی۔

۶۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباسؓ خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔[۱]

۷۔ تمام روایتوں میں مذکورہ کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں[۲]

---

[۱] بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لیے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب الکتابۃ العلم۔

---

[۲] علامہ قرطبی نے یہ تاویل پیش کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار و استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ اللہ نہ کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہذیان نہیں تو اس پر لحاظ نہ کیا جائے۔ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ موجود ہیں جن

میں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلا ہجرا ہجرا (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یھجر (صحیح مسلم)

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے کہ قلم دوات لاؤ۔ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہوسکتا تھا؟ فرض کرلو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہوسکتا ہے لیک اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔ اس میں ہذیان کی کیا بات ہے ایہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے اس روایت میں وہ واقعت چھوڑ دیے ہی جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔

پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کو نہایت خصوصیتیں چھوڑ کر کسی واقعہ پر کیونکر ستدلل ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان مور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہؓ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے راوی ہیں اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت کل ۱۳۔۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود واقعہ کے موجود نہ تھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس سے کہیں زیادہ آسان ہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثناء میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں ور وصیتیں فرمائیں۔ عین وفات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہوگیا اور حضرت ابوبکرؓ اسی خیال میں

اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا' واپس چلے گئے۔[۲] لیکن حضرت عمرؓ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں انتقال کیا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

---

[۱] ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپ کا یہ فرمان اکہ میں لکھ دوں ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے۔

---

[۲] طبری ص ۱۸۱۳'

عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس قدر خور رفت ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان یا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو اس کو قتل کر ڈالوں گا لیکن اور قرائن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتن پردازی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا منتظر تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہوگا۔ اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کرلی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہوسکتیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو

فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان سے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس فعل کی ناگواری اسوقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فطری تعلق تھا حضرت علیؓ بنی ہاشم اور ان پر فطرتی تعلق پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے تھے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خالفت کے باریں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور اس طرح اکوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہا۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کیا خلافت کا سوال حضرت عمرؓ وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

۲۔ کی یہ لوگ اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

۳۔ کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

۴۔ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب مسند ابو یعلیٰ ؎ کے عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ن اخراج الی یا بن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفہ بنی ساعدۃ فدرکوا ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لا بی بکر انطلق

''حضرت عمر کا بیان ہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً دیوار کے پیچھ سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب! (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بندوبست میں مشغول ہیں اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیقہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہس اس لیے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو انصر کچھ ایسی بات کر اٹھی جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو''۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے خالفت کی بحث کو چھیڑا تھا اور نہ وہ خود اپنی خوشی سے سقیفہ بنی سی ساعیدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ س وقت جماعت اسلامی کے تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی۔ بنوہاشم جس میں حضرت علیؓ شامل تھے مہاجرین جن کے رئیس وافسر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تھے انسار جن کے شیخ القبیلہ عبادہؓ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کر دیا تھا۔ بنوہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

۱؎ دیکھو فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علیؓ اپنے مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا اللہ کے فضل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے ہو گئے۔ حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اللہ کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے وصیت فرما دیں گے حضرت علیؓ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہ رہے گی۔[1]

اس روایت سے حضرت عباسؓ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا اس وقت یقین نہ تھا۔ اس لیے نہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے علاوہ ان کو اپنے انتخاب کیے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے۔ اور حضرت علیؓ ان کے پیشرو تھے صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔

كان من خبرنا حين توفى الله نبية ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرهم فى سقيفة بنى ساعدة وخالف عنا على والزبير ومن معهما واجتمع المها جرون الى ابى بكر[2]

”ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو

انصار نے قاطبہ ہماری مخالفت کی اور سقیقہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور
علی وزبیرؓ اور ان ے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس
جمع ہوئے''۔

۱؎ صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری

۲؎ صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی

یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہؓ موجود تھے اس لیے اس بات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو ورنہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالکؒ کی روایت میں یہ واقع اور صاف ہوگیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔

وان علیا والزبیر ومن کان معھما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ؎ ۱

''اور علی وزبیرؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرؓا
کے گھر میں ہم سے الگ ہوکر جمع ہوئے''۔

تاریخ طبری میں ہے:

وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی بیایع علی؎ ۲

''اور حضرت علیؓ وحضرت زبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیرؓ نے تلوار
میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں
تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا''۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ:

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہوگئے۔ انصار، مہاجرین اور بنو ہاشم۔

۲۔ مہاجرین حضرت ابوبکرؓ اور بنو ہاشم حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

۳۔ جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علیؑ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا۔

سقیفہ میں حضرت علیؑ کا نہ جانا، اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم والم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آ سکا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؑ کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادؓ تھے۔

---

۱ فتح الباری: شرح حدیث مذکور

---

۲ تاریخ طبری: ص ۱۸۲۰

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وفات فرمائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا، جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع وفزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منظّم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم ناجنسوں سے نہیں لڑتے کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس

خیال کو ظاہر کیا اور ان سے کہا:

وان العرب لا تعرف ھذا الامر الا لھذا لحی من قریش

اس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے۔ اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً منتخب کر دیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے' ان میں سب سے با اثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکرؓ تھے اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا لیکن لوگ انصار کی بحث ونزاع میں پھنس گئے تھے۔ اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ ابوعبیدہ بن جراح' عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے[1] اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رکے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بزور ان سے بیعت لینا چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی قسم آپ ہم سب کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس روایت میں رواۃ کے حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا' تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔

---

[1] ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہوتیں جو آگے چل کر جناب امیر المومنین حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے۔ کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام دیے' حضرت عمرؓ ہی کی شرکت سے انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم ''الفاروق'' میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابوبکرؓ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکرؓ کو اگرچہ مدتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے نہیں اٹھ سکتا۔ تاہم وفات کے قریب قریب انہوں نے عام رائے کا اندازہ کرنے کے لیے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ان کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کام انہی پر آ پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت علیؓ عثمانؓ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو نہ جانے کیا کریں گے۔ آپ اب اللہ کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجیے کہ اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں اللہ سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو مقرر کیا ہے جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا

شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیے۔ کہ میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کیا لکھا مجھ کو سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ اللہ تم کو جزائے خیر دے۔ عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے پھر خود بالا خانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عمرؓ کو مقرر کیا۔ تم لوگ اس پر راضی ہو؟ سب نے سمعنا واطعنا کہا پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت موثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لیے عمدہ دستور العمل کی جگہ کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سنہ ۱۲ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرۃ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۶۳۴ء ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں۔ یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس وشام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ اس کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ تاہم اس قدر مشہور ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عرباء جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانے میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونا شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اس کے نام کو شہرت دے دی ہے جب عرب پر حملہ کیا

تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے۔ اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقدمات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی اور چونکہ اس زمانہ میں سلطنت فارس میں طوائف الملو کی قائم ہو گئی تھی۔ عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا اس نے حیرۃ کو دارالسلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے[1] کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرۃ میں اس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملو کی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

[1] ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

شاہ پور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لیے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سابور ذی الاکتاف جب صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبدالقیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لیے۔ شاہ پور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچ کر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبدالقیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے' ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے وہ عرب میں ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہوا۔

سلاطین حیرۃ سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا' عیسوی مذہب قبول کرلیا اور اس تبدیل مذہب پر یا کسی اور سبب سے پرویز نے اس کو قید کرلیا اور قید ہی میں اس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیے تھے جو قبلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اس نے انکار کردیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام پر بڑے ساز وسامان کے ساتھ جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ:

هذا اول يوم انتصفت العرب من العجم

''یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا''۔

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۶ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اس کے کہ ان خطوط میں جنگ وجدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ میرا غلام ہوکر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کردیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح وغسان وجذام وغیرہ کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہوگئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کرلیا تھا اور زیادہ قوت وجمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے گے تھے لیکن یہ لقب خود ان کا خانہ ساز لقب تھا ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے کہ درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا اور اس وجہ سے ان کو

رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت پیدا ہوگئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ ٦ ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو انہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اوران کا تمام مال واسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن عمیرؓ کو خط دے کر بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمر بن شرجیل نے ان کو قتل کرادیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٨ ھ میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر طیارؓ، عبداللہ بن رواحہؓ جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالدؓ کی حکمت عملی سے فوج صحیح وسلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ درحقیقت شکست کھا تھا۔

٩ ھ میں رومیوں نے خاص مدینے پر حملے کی تیاریاں کیں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی ہے تو ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے جا کر کچھ کہا تم نے سنا! حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے۔

اسی حفظ ماتقدم کے لیے سنہ ١١ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور بڑے بڑے نامور صحابہؓ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہؓ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ

نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے جو شخص مارا جائے گا شہید ہوگا۔ اور جو بچ جائے مدافع عن الدین ہوگا یعنی دین کو اس کے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہوگا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمرؓ نے جس کی تکمیل کی' اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شرع کرتے ہیں۔

فتوحات اعراق[۲]

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے' نوشیروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زورآور رہی تھی۔ لیکن اس کے مرنے کے ساتھ ہی دفعتہً ایسی ابتری پیدا ہوگئی کہ ایوان حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش پندرہ تھے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے افسر نے اس کو قتل کر دیا اور آپ بادشاہ بن کر بیٹھ گیا۔ یہ سنہ ہجری کا بارہواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا اور وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا[۳]۔

---

[۱] جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کیے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملحق ہے اس کو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں عراق کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ' جنوب میں بحر فارس' مشرق میں خورستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے

دارالسلطنت اس کا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ کوفہ واسطہ وغیرہ ہیں۔

۲؎ ہمارے مورخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آئے ہیں کہ سنہ ختم ہوا چاہتا ہے اور ان کو سنہ کے تمام واقعات لکھنے میں اس لیے قبل اس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر ان کا سلسلہ ٹوٹے' شام ومصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے اس لیے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا شام کو ایک جا اور مصر کو ایک جا لکھا ہے۔

۳؎ شیرویہ کے بعد سلسلہ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعیین میں مورخین اس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے۔ میں نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہونے کے ابوحنیفہ ینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

پرویز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے' اس کی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی۔ چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تخت وتاج نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنی شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرۃ وابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۱۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف

اللہؓ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی مثنیٰؓ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ۲ ان نومسلموں کا ایک بڑا گروہ لے کر عراق کا رخ کیا۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو مدد کے لیے بھیجا۔ خالدؓ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیے اور حیرۃ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا۔ وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالدؓ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ خالدؓ نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا لیکن چونکہ ادھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلہ میں وہاں پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ربیع الثانی سنہ ۱۳ ہجری سنہ ۶۳۴ ۳ میں خالدؓ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں۔ خالدؓ ادھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتہً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعت خلافت کے لیے تمام اطراف و دیار سے بے شمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک ان کا تانتا بندھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور وہ خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سب خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اٹھ کر کہا مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان

گئے ہیں‘‘۔

۱؎ الاخبار الطّوال ابوحنیفہ دینوری۔

۲؎ فتح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۱۔

۳؎ بلاذری صفحہ ۲۵۰

حاضرین میں سے ابوعبید ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے‘ وہ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ ابوعبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مضافات[۱] سے ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابوعبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابوعبیدہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاص نہ تھا یعنی صحابہ نہ تھے۔ اس وجہ سے اس کی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عمرؓ صحابہؓ میں سے کسی کو ی منصب دو۔ فوج میں سینکڑوں صحابہؓ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابیؓ ہی ہوسکتا ہے۔ ھضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور کہا تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقال کی وجہ سے تھا لیکن ا س شرف کو تم نے خود کھا دیا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کے جائیں تاہم چونکہ صحابہؓ کی دلجوئی ضروری تھی ابوعبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا ار ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر کا خراسان کا بیٹا تھا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا‘ دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ وسپید کا مالک ہے یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو ج میں تمام امراء اور اعیان سلطنت شامل تھے‘ تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہیں کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے نہوں نے دل سے ان

احکام کی اطاعت کی۔اس کا یہ اثر ہوا کہ چندروز میں تمام بدانتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور وقوت پیدا کرلی جو ہرمزاور پرویز کے زمانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ ضلاع عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیے جنہوں نے مذہب حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابوعبیدہ کے پہنچنے سے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہوگیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لیے ایک اور فوج تیار کی اور نرسی وجاپانی کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا مشہور رئیس تھا اور عرب سے س کو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع قدیم سے اس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے۔ ادھر ابوعبید و مثنیٰ حیرۃ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

---

[1] بلاذری کی روایت ہے ابوحنیفہ دنیوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے۔

ابوعبید نے اس اثنا میں فوج کو سروسامان سے آراستہ کرلیا اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لیے بڑھے۔ نمارق پر دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ ومیسرہ پر جوش شاہ اور مردان شاہ دو مشہور اسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہوئے۔ مردان شاہ بدقسمتی سے اسی وقت قتل کردیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا تھا۔ جاپان نے اس سے کہا کہ میں اس بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں مجھ کو چھوڑ دو اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لے لو۔ اس نے منظور کرلیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابوعبید نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

ابوعبید نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا جہاں نرسی فوج لیے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں

فوجیں مقابل ہوئیں نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور
ترویہ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد
بھائی بندویہ اور تیرویہ میمہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑاء یمیں دیر کر رہا تھا کہ پای
تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں ابوعبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بڑھ کر جنگ
شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابوعبیدہ نے خود سقاطیہ میں
مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے ان کو
وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوانداد جو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے۔ چنانچہ اظہار خلوص کے لیے
ایک دن ابوعبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابوعبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج
کے لیے ہے یا صرف میرے لیے۔ فرخ نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا
تھا۔ ابوعبید نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر
کچھ ترجیح نہیں ہے۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مروان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو
نوشیروان نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان کے
ساتھ روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح وظفر کا
دیباچہ سمجھا جاتا تھا اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام
مروحہ تھا' دونوں حریف صف آراء ہوئے چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ ہم کو اسی
طرف رہنا چاہیے لیکن ابوعبید جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔
سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ مروان
شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا اس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ عرب مرد میدان نہیں ہیں
اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابوعبید نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کر کے حکم دیا مثنیٰؓ اور

سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت وشان میں ان کا رتبہ ابوعبید سے بڑھ کر تھا۔ جب ابوعبید نے اصرار کیا تو ان لوگوں ں ے کہا کہ اگر چہ ہم کو قطعی یقینہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو گی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آراء ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لیے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھ۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کر پیچھے ہٹے ابوعبید نے دیکھا کہ ہاتھوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا تو گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیو کو للکارا کہ جانبازو ہاتھیوں کو بیچ میں لے لے اور ہودوں کو سواروں سمیٹ الٹ دو۔ اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا لیک ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابوعبید یہ دیکھ کر کہ پیل سفید پر جو سب ک سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مشک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیے ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

ابوعبید کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ اسنے ابوعبید کی طرح اس کو بھی پئوں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابوعبید کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے باری باری ہاتھ میں لیے اور مارے گئے۔ آخر میں مثنیٰؓ نے علم لیا لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طرہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دے کہ کوئی شخص بھاگ کر نہ جانے پائے لیکن لوگ اس طرھ بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف سے راستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ مثنیٰؓ نے

دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اتار دے خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے دباتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہ حساب کیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار کرنا بہت شاذ اور نادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے تھے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ منورہ میں پہنچ کر گھروں میں روپوش ہو گئے تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم او متحیزا الی فئۃ (۸/الانفال:۱۶) میں داخل ہو لیکن اس کو اس تاوی سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان سنہ ۱۳ ہجری میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور صحابہؓ میں سے لوگ شہد ہوئے۔ وہ سلیط، ابوزد انصری عقبہ وعبداللہ پسران قبطی بن قیس، زید بن قیس الانصاری، ابوامیۃ الفرازیؓ وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۴ھ (۶۳۵ء)

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور وشور سے حملہ کی تیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیج دیے جنہوں نے پر جوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے۔ قبیلہ اذد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طاء کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لے کر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب بنو کنانہ خثعم بنو حنظلہ بنو ضبہ کے بڑے بڑے جتھے

اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر وتغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ آج عرب وعجم کا مقابلہ ہے۔اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلیؓ دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ یک مشہور سردار تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی تھی کہ پنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیے کہ جہاں جہاں اس کے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں جریرؓ یہ جمعیت اعظم لے کر دوبارہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر مثنیٰؓ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقبا بھیج کا ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ ایرانی جاسوسوں نے یہ خبری شاہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کیے جائیں اور مہران بن مہرو یہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ ہاس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی۔ اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور وقوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہوکر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا صبح ہوئے فرات سے اتر کر بڑے سروسامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰؓ نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیے۔ چنانچہ میمنہ پر مزعور، میسرہ پر نسیر، پیدل پر مسعود، ولسیر پر عاصم، گشت ک فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰؓ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہوکر کہا بہادرو دیکھنا تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آجائے۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین مرتبہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰؓ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آ کر صف سے نکل گئے۔ مثنیٰؓ نے غصے میں آ کر داڑھی دانتوں میں دبالی اور پکارے کہ اللہ کے لیے اسلام کو رسوا نہ کرو اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آ کر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہہ کر مثنیٰؓ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ میدان جنگ گونج اٹھا۔ مثنیٰؓ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غل ہے۔ عیساء سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیک ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰؓ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا بول دیا۔ پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰؓ نے للکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ آئے[1]۔ مثنیٰؓ نے ان کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰؓ کے بھائی تھے اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔

---

[1] الاخبار الطّوال لابی حنیفہ الدینوری

ان کی رکاب کی فوج بے دل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰؓ نے للکارا کہ مسلمانوں میرا بھائی مرا گیا تو کچھ پرواہ نہیں شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بے دل نہ ہونا۔

دیر تک بڑی گھمسان لڑائی رہی۔ انس بن ہال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا' زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰؓ نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے ساتھ لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰؓ کی ثابت قدمی کی وجہ سے

لڑائی کا پلہ سی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا۔ میں ہوں تغلب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل۔[1]

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰؓ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا اور عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی میں اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے جابجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن ہو گئے ہیں۔ خود مثنیٰؓ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل گئے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰؓ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پایہ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زنانہ حکومت اور آپس کا اختلاف کا یہی نتیجہ تھا۔ اسی وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا[2] اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔

---

[1] طبری بروایت سیف

---

[2] یہ ابوحنیفہ دینوری کی روایت ہے طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی

ہے۔

(یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے طبعری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے) رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے' درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کیے دیتے ہیں۔ غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آ گئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمرؓ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰؓ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل کو جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ خود بڑے ساز و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر' رئیس صاحب تدبیر شاعر خطیب اہل الرائے ہو فوراً دربار خلافت میں آئے چونکہ حج کا زمانہ آ چکا تھا خود مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن وقاصؓ نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضر موت' صدف' مزحج' قیس' عیلان' کے بڑے بڑے سرداروں کی جمعیت لے کر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یم کے ہزار بنو تمیم کو رباب کے چار ہزار بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا ایک جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول طلحہؓ میمنہ پر زبیرؓ اور میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو کر چلی تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کیے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں صرار جو مدینہ

سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا اور یہاس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لیے صرار میں فوج کو مع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب ک۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا امیر المومنین! یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہو گی لیکن بڑے بڑے صحابہؓ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں۔ اللہ نہ کرے اگر شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن اکابرؓ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بار گراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالدؓ شام کی مہمات میں مصروف تھے حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ لوگ اسی حیص وبیص میں تھے کہ دفعتہً عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا میں نے پالیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ۔

سعدؓ بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہؐ کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ کو پھر بھی کچھ تردد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رائے کی تائید کی تو چارو ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل وحرکت، حمل کا بندوبست لشکر کی ترتیب فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمرؓ نے نامزد کر دی تھیں چنانچہ مورخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعدؓ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷۔۱۸ منزلیں طے

کر کے ثعلبہ پہنچے[1] اور یہاں قیام کیا ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی اور افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام کیا۔ مثنیٰؓ موضع ذی وقار میں آٹھ ہزار آدمی لیے ہوئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن واء کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰؓ کو سعدؓ کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ بڑھیں لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدمے سے انتقال کیا۔ سعدؓ نے ثعلبہ سے چل کر مشراف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰؓ کے بھائی معنی ان سے آ کر ملے اور مثنیٰؓ نے جو ضروری مشورے دیے تھے سعدؓ سے بیان کیے چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ جہا فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعدؓ نے اس مقام کا نقشہ لشکر کا پھیلاؤ فرودگاہ کا ڈھنگ رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی۔ وہاں سیا یک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے سعدؓ نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا جو کم وبیش تیس ہزار ٹھہری پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسی کر کے ایک پر جدا جدا افسر مقرر کیے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی:

---

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زردو لکھا ہے یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔

میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصمؓ	صحابی تھے
میسرہ (بایاں حصہ)	شرجیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرد (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمٰن بن ربیعۃ الباہلی	
راید یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والے	سلمان فارسیؓ	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب[1]		

[1] افسوس ہے کہ طبری نے طبیبوں کے نام لکھے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے

امرائے اعشار میں سے ستر وہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ تین سو وہ جو بیعۃ رضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہؓ کی اولاد تھے۔

سعدؓ شراف ہی میں سے تھے۔ کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ[1] میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ اور اگر اللہ نہ کرے کہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں میں پناہ میں آسکو۔

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمرؓ جاہلیت میں ان مقامات میں سے اکثر گزرے تھے۔ اور اس موقع کی ہئیت سے واقف تھے۔۔ چنانچہ سعدؓ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا سعدؓ کو لکھا کہ قادشیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعدؓ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔

چنانچہ سعدؓ شراف سے چل کر غدیب پہنچے یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا۔ قادسیہ پہنچ کر سعدؓ نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں انہوں نے آ کر بیان دیا کہ رستم (پسر فرخ زاد) جو آرمینہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع د۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں سعدؓ نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کیے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ عطارد بن حاجب' اشعث بن قیس' حارث بن حسان' عاصم بن عمر' عمرو معدی کرب' مغیرہ بن شعبہ اور معنی بن حارثہؓ قد و قامت اور ظہارہ رعب و ادب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن بسر بن ابی رہم حملہ بن جویۃ حنظلہ بن الربیع التمیمی' فرات بن حا العجلی' عدی بن سہیل' اور مغیرہ بن زرارہؓ عقل و تدبیر اور حزو سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

---

[1] یہ کوفہ سے ۳۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔

ساسانیوں کا پایہ تخت قدیم زمانے میں اصطخر تھا لیکن نوشیروان نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا وہ اس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آ رہا تھا۔ یہ مقام سعدؓ کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفراء گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تلک کہ آستان سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا۔ تاہم بے باکی اردلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی۔ اور تماشائیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکل جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آوز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیسی ہے معلمو ہوا کہ اسلام کے سفراء آئے ہیں یہ سن کر بڑے سروسامان سے دربار سجایا اور سفراء کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جبے پہنے کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیے موزے چڑھائے ہوئے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں می تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا برد۔ اس نے (فارس معنی کے لحاظ سے) کہا کہ جہاں برد پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ سوط وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ پارس راسوختند ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے۔ جواب دینے کے لیے آگے بڑھے پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت قوم کوئی نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا لیکن مغیرہ بن زرارہ سے ضبط نہ ہو سکا اور اٹھ کر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) رؤسا عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی ہیں کر سکتے ۔نہوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں ان کو میں بیان کرتا ہوں ۔ یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے ۔آپس میں کٹتے مرتے تھے ۔اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا ۔اول اول ہم سب نے اس کی مخالفت ک ۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے لیکن رفتہ رفتہ اس کی بات نے دلوں پر اثر کیا اور جو وہ کچھ کہتا تھا اللہ کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا اللہ کے حکم سے کرتا تھا ۔اس نے ہم کو حک دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں ۔جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزی پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں ۔جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لیے تلوار ہے ۔یزدگرد غصیسے بے تاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل کرنا جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا ۔یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سے سب سے معزز کون ہے عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا میں ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا ۔وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سعدؓ کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک !دشمن ے اپنی زمین خود ہم کو دے دی ۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا ۔رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا ۔ساباط میں لشکر لیے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جا رہا تھا ۔ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے ۔اس عرصے میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آ گئے ۔ان میں جوشنماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا ۔س حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق در جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں چار ناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادشیہ پہنچ

کر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ لشکر کی ترتیب اتارنے کا رخ ان باتوں کو دریافت کے لیے فوجی افسر متعین کیے گئے اس میں کبھ کبھی دشمن کا بھی سامنا ہو جاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ طلحہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی ڈور سے اٹکالی۔ اس عرصے میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا ایک سوار مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا انہوں نے خالی کر دیا وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو اور سوار تھے ان سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصے میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی ارلوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلحہ لڑتے بھڑتے صاف نک آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعدؓ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن اعم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلا کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہ ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور موقع پر ثابت قدم اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا۔ ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعدؓ نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب وغریب ہئیت س چلے عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے

لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہئیت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے ادھر ایرانیوں نے بڑے سروسامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش زرین گاؤ تکیے، حریر کے پردے۔ صدر میں مرصع تخت ربعی فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگر چہ کچھ نہ بولے تا ہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آن منظور نہیں تو میں الٹے پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم لیس عرض کی اس نے اجازت دے دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اس کی انی کو اس طرح فرش پر چبھوتے جاتے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس مللک میں کیوں آئے؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔ رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آ کر ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں سے بجلی سی کوندگئی اور جب اس کے کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔ ربعی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہؓ گئے اس دن ایرانیوں نے برے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج زر پہن کر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصب دار قرینے سے دور یہ پرے جما کر کھڑے ہوئے مغیرہؓ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی رف بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب

کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لیے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص رب بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔ مترجم نے جس کا نام عبود تھا اور حیرۃ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا اور بعض بعض بول اٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ مغیرہ نے کہا کہ آگ کی لوگ گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے۔ رستم نے ان کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رست نے سلطنت کی شان وشوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلایا جائے گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہ کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ کی جنگ اور فتح

محرم ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوئے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دو پہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آ گئی خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا دوہری زرہیں پہنیں سر پر خود رکھا' ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔ کسی سپاہی نے کہا کہ ہاں اگر اللہ نے چاہا بولا کہ اللہ نے نہ چاہا تب بھی۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا ہودجوں اور عماریوں میں ہتھار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقعہ جنگ سے پایہ تخت تک کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا کہ اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعدؓ کو چونکہ النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لیے فوج میں شریک نہ ہوئے بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھکر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے تھے اور خالد انہی روایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب اور قابل ہے

اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

---

۱ قادسیہ عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہوا ہے ہمارے نقشے میں اس شہر کو مدائن کے متصل سمجھنا چاہیے۔

فوجیں آراستہ ہو چکی تھیں۔ تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ، حطیئۃ، اوس بن مغرا، عبدۃ بن الطیب، عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ، غالب، ابن الاہذیل الاسدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع سعدی، ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے۔ اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے ان تقریروں کے جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں:

ابن الہذیل الاسدی کے الفاظ یہ تھے:

یامعشر سعد ! اجعلوا حصونکم السیف وکونوا علیھم کاسودا لاجم واد رعوا العجاج وعضوا الابصار فاذا کلت السیوف فارسلوا الجنادل فانھا یوذن لھا فیما لا یوذن للحدید

"خاندان سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو۔ جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا"۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دل دہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں

سعدؓ نے قاعدے کے موافق نعرے لگائے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز ودیبا کی قبا زیب تن کیے زری کمر بند سجائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا ادھر سے عمرو معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا

اور ایسا تاکر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے انہوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر بند میں ہاتھ ڈال کر معلق اٹھا زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔لوگوں نے کہا کہ ہر شخص معدی کرب کیونکر ہوسکتا ہے۔

اسا کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ایرانیوں نے بجیلہ کے ررسالے پر جو سب سے ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔عرب کے تھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ دیکھے تو دفعتہً بدکے اور منتشر ہو گئے پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیک ہاتھیوں کے ریے میں ان کے پاؤں اکھڑ جاتے تھے۔سعدؓ نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیہ سدکو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھوں سے کہا عزیزو سعدؓ نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائی اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھوں پر حملہ آور ہوء۔ان کی پامردیی سے اگرچہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف کر دیا۔سعدؓ نے قبیہ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھوں کی کچھ تدبیر نہیں ہوسکتی؟ یہ سن کر وہ دفعتہً بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فی نشینوں کو گرادیا پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں شام تک یہ ہنگامہ رہا جب بالکل تاریکی چھا گئی دونوں حریف میدان سے ہٹے۔قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو (یوم الارماث) کہتے ہیں

سعدؓ جس وقت بالا خانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے۔ان کی بیوی سلمیٰؓ بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں ایرانیوں نے جب ہتھوں کو ریلا تو مسلمان پیچھے ہٹے تو سعدؓ غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے۔اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔سلمیٰؓ یہ حالت دیکھکر بے اختیار چلا اٹھی کہ افسوس آج مثنیٰؓ نہ ہوا۔سعدؓ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰؓ ہوتا تو کیا کر لیتا۔سلمیٰؓ نے کہا سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی۔ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعدؓ خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعدؓ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں

اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو کمر بنی کا حکم دیا لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابوعبیدؓ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں۔ حضرت عمرؓ نے جس زمانے می عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابوعبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیجی گئی ہے اس کو حکم دو کہ سعدؓ کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ یہ چھ ہزار سپاہ تھے جن میں پانچ ہزار ربیعۃ ومضر اور ہزار خاص حجاز تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعدؓ کے بھائی) سپہ سالار تھے ارو ہراول قعقاع رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ اے ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے پر آئے۔ ادھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ لینا ابوعبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے۔ دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف سے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ براز اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگاہ عام ہونے سے پہے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیے۔ تاہم بڑے زور و شور دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کی قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر خوف چھاتا رہا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کیلیے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھوں کی طرح مہیب بنایا یہ مصنوعی ہاتھ جس طرح رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی

گھوڑے اور تلواریں تھیں ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرؓ التمیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ربیل نے فخر اور جوش میں آ کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:

لقد علم الاقوام انا احقھم
اذا حصلوا بالمرھفات البوتر

''سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں''۔

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا۔ ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم پر سعدؓ نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے سلمیٰؓ (سعدؓ کی بیوی) کے پاس گئے کہ اللہ کے لیے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو لڑاء سے جیتا بچا تو خود آ کر میں بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰؓ نے انکار کیا یہ حسرت کیساتھ واپس آئے اور بار بار پردرد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے:

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا
واترک مشدودا علی وثاقیا

''اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں خر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں''۔

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت
مصاریع من دونی تصم المنادیا

''جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے اس

طرح بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے''

ان اشعار نے سلمیٰؓ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آ کر بیڑیاں کاٹ ڈالیں۔ انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعدؓ کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسی اور میدان جنگ میں پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا اور پھر اس زور وشور سے حملہ کیا کہ جس طرح نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔

سعدؓ بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانے میں ہے شام ہوئی تو اابو محجن نے قید خانے میں آ کر خود بیڑیاں پہن لیں سلمیٰؓ نے یہ تمام حالات سعدؓ سے بیان کیے۔ سعدؓ نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا الہ کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔

ابو محجن نے کہا واللہ میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا[۱]۔

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی[۲] اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی تھے ڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی رف سے خطاب کیا اور کہا:

الم تنب بکم البلاد ولم تفحکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموھا بین ایدی اھل فارس واللہ انکم لبنو رجل واحد کما انکم بنو امرء ہ واحدة ماخنت اباکم والا فضحت خاکم انطللقوا افاشھدوا اول القتال واخرة

''پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا۔ باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا اللہ کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کی بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا

کیا لو جاؤ اور اخیر تک لڑو"۔

۱؎ کتاب الخراج: قاضی ابو یوسف صحہ ۱۸

۲؎ خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ ہیں اور عجیب و غریب ہیں۔ اس کا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اس کے مفصل حالات علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں اس کا کوئی نظیر نہیں گزرا۔ چنانچہ بازار عکاظ میں اس کے خیمے کے دروزے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ارثی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوتی تھی۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اے اللہ! میرے بیٹوں کو بچانا۔

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔ تاہم فتح و شکست کا کچھ فیص نہ ہوا یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حک دیا کہ پڑاؤ سیدو رشام کی طرف نکل آئیں پو پھٹے سو سو میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے آئیں اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوئے پہلا رسالہ پہنچا۔ تما فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آ گئیں ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہشام جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزدگرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر

فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا کہ تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کرلیا۔ فارس کی فتح کا جو اللہ کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پوارہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا میدان میں آیا۔ اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں عمر معدی کرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظروں سے چھپ گئے اور یہ دیکھ کر ان کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حالتھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا برچھویں کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا۔ آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعدؓ نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرح رخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹا جاتا ہے۔ ضخم وسلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہوگئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے؟ انہوں ؤنے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر تھے اور گویا کہ ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا حب کے نام سے مشہور تھا۔ سعدؓ نے قعقاع عاصم حمال ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ساتھ ہے۔ قعقاع نے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیے کہ ہاتھوں کو نرغہ میں لیں پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے۔ ہاتھی جھرجھری ے کر پیچھے ہٹا۔ ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہوگئی۔ ادھر ربیل اور جمال

نے حرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا اور تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے اودم کی دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیال۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کولیلتہ الہریر کہتے ہیں ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔سب سے آگے سواروں کا رسالہ تھا ان ے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیرانداز۔سعدؓ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنے رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعدؓ کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللھم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے اللہ قعقاع کو معاف کرنا اور اسکا مددگار رہنا۔قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع بحیلہ کندہ سب ٹوٹ پڑے۔سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ اللہ اس کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح کھڑی تھیں اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ پا حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔قبیلہ حمیفہ نے اس پر حملہ کیا لیکن تلواریں زرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں سردار قبیلہ نے للکارا۔سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔اس پر بھی جب فتح وشکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران

قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا۔ ساتھ ہی قیس، اشعث عمر و معدی کرب، ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو یہ لوگ اللہ کی راہ میں تم سے آگے نہ نکلنے پائیں اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر مین ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے۔ اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیرزان اور ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آ گئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے ساتھ ہلال بھی کود ے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ ائے پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا! ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

بر آمد	خرد	شے	بکر	دار	رعد
زیک	سوی	رستم	زیک	سوے	سعد
چو دیدہ	ای	رستم	بخون	تیرہ	گشت
جوان	مرد	تازی	برو	چیرہ	گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعدؓ اس واقعہ میں شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے۔ ان میں سے شہریار، ابن الہربذ، فرخان اہوازی، خسرو شنوم ہمدانی، نے مردانہ وار جان دی لیکن

ہرمزان اہود قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعدؓ خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی۔ یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا:

نصرہ	اللہ	انزل	حتی	وقاتلت
معصم	القادسیۃ		بباب	وسعد

''میں برابر لڑتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے اپنی مدد بھیجی لیکن سعد قادسیہ کے دروازے سے لپٹے رہے''۔

کثیرۃ	نساء	امت	وقد	قابنا
ایم	فیھن	لیس	سعد	ونسوۃ

''ہم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں سعدؓ کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔''

---

[1] علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں لیکن عمرو معدی کرب طلیحہ بن خویلد قرط بن جماع ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطّوال کی روایت ہے۔

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعدؓ نے تام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور معذوری ثابت کی۔

سعدؓ حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے مطابق نکلے ادھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا۔ بڑھ کر پوچھا کہ کدھر

سے آتے ہو؟ وہ سعدؓ کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعدؓ کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کیے اس نے کہا اللہ نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمرؓ رکاب کے برابر دوڑے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے سے آتا ہے ان کو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے ڈر سے کانپ اٹھا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا میں اس گستاخی کا متکب نہ ہوتا۔ فرمایا نہیں کچھ حرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینے میں پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر یہ فقرہ تھا کہ مسلمانو میں بادشاہ نہیں ہوں تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں میں خود اللہ کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے ان میں سے ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی پکڑ کر لائے گئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نک گئے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعدؓ کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعدؓ نے دربار خافت کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کو بلا کر رائے لی اور سب نے بالاتفاق منظور کر لیا۔ غرض تمام ملک کو امن دے دیا گیا جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں قیام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ س مستحکم مقام تھا اطمیان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لیے اور فیروزان کو سردار لشکر قرار دیا تھا۔ سعدؓ نے ان کے استعصال کے لیے ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے کہ راستہ صاف رکتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصیری سدراہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا

کر بابل کی طرف بھاگ گیا برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کر لی اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کر دادیے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیر جان ہرمزان، مہران مہرجان وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ نے خود بابل میں قیام کیا اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گزرے تو شہریار نے آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آ کر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا کہ میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائے گا۔ یہ کہہ کر ناب کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا اس نے گھوڑا آگے بڑھایا شہریار دیو کا سا تن اور توش رکھتا تھا۔ نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ پھینک کر گردن میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آ گیا۔ ناب نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا کے رہ گیا۔ نابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعدؓ کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعدؓ نے عبرت کے لیے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر وہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام ہے۔ حضرت ابراہیم کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعدؓ اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔

تلک الایام نداولها بین الناس (۳/آل عمران : ۱۴۰)

کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لیے اس شیر کو بحرہ شیر کہتے تھے۔ سعدؓ کا لشکر

قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکا لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعدؓ نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعدؓ نے بہرہ شیر کا محاصرہ کر لیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لیے شہزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعدؓ سے کہا یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے ید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعدؓ نے ان کا نام دفتر میں درج کر لیے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آراء ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش وخروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے آگے رہتے تھے ان کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجیے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو آ کر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اس وقت تک میں زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حات میں حملہ کرتے بڑے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑایا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ ہائل تھا۔ سعدؓ بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیے تھے۔ سعدؓ دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو نہ پل تھا اور نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا برادران اسلام دشمن نے ہر طرف سے ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور دفعتہً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور مواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں

باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ کریمین و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آ گئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں چنانچہ دیواں آمدند دیواں آمدندا کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کیے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر سدراہ ہوا لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل گئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا سعدؓ مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں:

ا۔ تاریخ طبری میں بعینہ یہی الفاظ ہیں۔

کم ترکوا من جنت وعیون و زروع ومقام کریم و نعمة کانوا فیھا فکیھین کذالک واورثنھا قوما اخرین

(۴۴/الدخان: ۲۵'۲۸)

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی بجائے منصب منبر ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گ ء اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعدؓ نے باوجودیکہ اکابر صحابہؓ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔ا

دو تین دن ٹھہر کر سعدؓ نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر یکجا کیے جائیں کیانی سلسلے سے لے کر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاؤش بہرام بوبیں کی زرہیں اور تلواریں تھیں کسریٰ ہرمز اور قباد کے خنجر تھے نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوءے تھے چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر

سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا سب سے عجیب وغریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے گئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین زمرد کا سبزہ پکھراج کی جدولیں سونے چاندی کے درخت حریر کے پتے جواہرات کے پھل۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارت گری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لا کر سجایا گیا تو دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعدؓ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ وجلال اور اسلام کی فتح واقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چن گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

---

[1] علامہ طبری نے جو بڑے محدث تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔

محلم نامی مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا نوشیروان کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا دربار کا جدا' جشن کا جدا' تہنیت کا جدا' چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے

گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی یہ رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء ۱۶ھ (۶۳۷ء)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرلشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور راستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیے۔ سعدؓ کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمتہ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک، ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا اور ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح ۸۰ معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی۔ بے دل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق سے یہ کہ دفعتہً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔

۱؎ جلولاء بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونے کے نقشے میں مندرج نہیں ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے۔

اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گوکھر وبچھوا دیے اور فوج کو سروسامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ گیلتہ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا ترکش خالی ہو گئے تو بہاروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ گئے اور تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے لیکن سپہ سالار فوج یعنی بنی ہاشم پیچھے رہ گئے اور فوج کا بڑا حصہ انہی کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے نقیبوں سے کہلوا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے۔ فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتاً ٹوٹ کر گی۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے گھکھر و بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبعی کی روایت کے مطابق ایک لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعدؓ نے مژدہ فتح کے ااتھ پانچواں حصہ مدینہ بھجا زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو کسی طرح مجمع عام میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ بول اٹھے خطیب اس کو کہتے ہیں انہوں نے برجستہ کہا:

ا جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اس لیے تقسیم

ملتوی کر دی اور صحن مسجد میں ان کا ڈھیر لگا دیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن ارقمؓ نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گ ء۔ درہم و دنار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمرؓ بے ساختہ رو پڑے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک وحسد بھی آتا ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہو گیا اور خسر شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔ سعدؓ خود جلولاء میں ٹھہرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیروان (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسروشنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچ کر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرا دی۔ اطراف کے رئیس آ آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے۔ اور اسلام کی حمایت کرتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آغاز ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں شام پر کئی طرف سے لشکرکشی کی۔ ابوعبیدہؓ کو حمص پر یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر شرجیلؓ کو اردن پر عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجیں۔ یہ دیکھ کر افسران اسلا نے اس پر اتفاق کیا کہ ک فوجیں یکجا جمع ہو جائیں اس کے ساتھ ابوبکرؓ کو خط لکھا اور فوجیں مدد کو روانہ کیں۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا۔ قیصر

نے ایک بری فوج مقابلے کے لیے روانہ کی جس نے اجنادین پر پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابوعبیدہؓ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آ کر مل جائیں چنانچہ شرجیل یزید عمرو بن العاصؓ وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالدؓ نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے کامل فتح حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر خالدؓ نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شروع ہوا لیکن چونکہ فتح حضرت عمرؓ کے عہد میں حاصل ہوئی ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے وہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالدؓ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو قرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاسؓ باب توما پر شرجیلؓ باب الفرادیس پر ابوعبیدہؓ باب الجابیہ پر متیین ہوئے اور خود خالدؓ نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرہ کی سختی سے عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت کے لیے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے۔ آ کر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے۔ ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہے ہر ہر فرد میں دلیری ثابت قدمی راست بازی عزم اور استقلال پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کو یہ سہارا تھا کہ ہرق سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی اثناء میں ابوبکرؓ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے

موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھٹ جائے گا۔ لیک ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت می بھی کم نہ ہوئی۔ ادھر خالدؓ نے والکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا۔ کہ ادھر سے مدد نہ آنے پائے۔ چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل مایوسی ہوگئی اسی اثنا میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا عینی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی سے جلسے کیے اور اس کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالدؓ راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آ سکتا ہے کہ اسی وقت اٹھے ارو چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اترے اور کمند کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے۔ اوپر جا کر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اور اس ترکیب سے تھوڑی سی دیر میں بہت جانثار فصیل پر پہنچ گئے۔[1] خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیے۔ ادھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی دروازہ کھلنے کے ساتھ سیالب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہہ تیغ کر دیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیے اور ابو عبیدہؓ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالدؓ سے بچایئے۔ مقسلاط میں جو ٹھیٹروں کا بازار تھا ابو عبید و خالدؓ کا سامنا ہوا۔

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ خالدؓ کو عیسائیوں نے جنشن کی خبر خود ایک عیسائی نے سنائی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے۔

خالدؓ نے شہر کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا اگر چہ لڑ کر فتح کیا تھا لیکن ابو عبیدؓ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کر لی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی اور نہ کوئی شخص لونڈی یا غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب ۱۴ھ (۶۳۵ء میں ہوئی۔

فحل زوقعدہ ۱۴ھ (۶۳۵ء)

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا اس لیے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لیے جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں وہ بھی اس میں آ کر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا جس کا سپہ سالار رسلکار نام کا ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم تھا۔ جن سے دمشق، حمص، اردن، فلسطن مشہور اضلاع تھے۔۔ اردن کا صدر مقام طبریہ تھا جو دمشق سے چار منزل تھا طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے اسی ک قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا نام پرانا نام سلا اور نیا یعنی عرب نام فجل ہے۔ یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتًہ نہ آ پڑیں۔ آس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیے وار فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانو ں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے۔ اور ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابو عبیدہؓ نے معاذ بن جبلؓ کو بھیجا معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیبائے زریں کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آ کر کہا کہ میں گھوڑا اتھام لیتا ہوں۔ آپ دربار میں جا کر بیٹھیے۔ معاذؓ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لیے وہ واقعی ان کی عزت

کرنی چاہتے تھے اور ان کا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذؓ نے کہا میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذؓ کو غصہ آیا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون اللہ کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزدی پر حیرت زدہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بڑھ کر بھی کوء ہے؟ انہوں نے کہا معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ یں سب سے بدتر نہ ہوں۔ رومی چپ ہو گئے۔ معاذؓ نے کچھ دیر تک انتظار کیا اور مترجم سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ گر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔ رومیوں نے کہاہ کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینیا کا ملک تم سے قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مر چکا ہے۔ اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم ہماری طرف کیوں رخ کیا۔ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسامان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ معاذؓ نے کہا سب سے پہلے یہ ہماری درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو شراب پینا چھوڑ دو سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں اگر اسلام لانا منظور نہیں ہے تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت اور کثرت کی پراوہ نہیں ہمارے اللہ نے کہا ہے

كم من فيه قليلة غلبت فية كثيرة باذن الله

تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شنہشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا مال و دولت میں اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں۔ رومیوں نے کہا اچھا ہم تم

کو بلقا کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں تم یہ لک چھوڑ کر فارس جاؤ معاذؓ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابوعبیدہؓ سے گفتگو کرنی چاہی۔ چنانچہ اس غرض سے ایک قاصد بھیجا جس وقت وہ پہنچا ابوعبیدہؓ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا کہ سپہ سالار بڑا جاہ وحشم رکھتا ہوگا اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہوگا لیکن وہ جس طرح آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا وہ حیران رہ گای اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو ابوعبیدہؓ نے کہا ہاں قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابوعبیدہؓ نے انکار کیا تو برہم ہو کر اٹھا۔ ابوعبیدہؓ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دیا کہ ثابت قدم رہو اللہ تمہارا یاور اور مددگار ہے۔

ابوعبیدہؓ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالدؓ میدان میں گئے صرف سواروں کا ایک رسالہ رکاب دار تھا۔ رومیوں نے بھی جنگ کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالدؓ کی طرف باگیں اٹھائے چل آ رہا تھا کہ خالدؓ کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگا روکا اور سخت کشت وخون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالدؓ نے میسرہ بن مسروق کو اشارہ کیا وہ اپنے رکاب کی فوج لے کر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا۔ ایک مشہور سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالدؓ کے مقابلے کو بھیجا خالدؓ نے بھی یہ حملہ نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کای اور پہلی دونون فوجیں آ کر مل گئیں دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور الٹا بھاگنا چاہا۔ خالدؓ نے

ساتھیوں سے کہا کہ رومی اپنا زورصرف کر چکے اب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جا رہے تھے۔ خالدؓ ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابوعبیدہؓ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے چنانچہ اسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ حملہ کل ہوگا۔ فوج سروسامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابوعبیدہؓ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبلؓ کو میمنہ پر مقرر کیا سوار خالدؓ کی ماتحتی میں دیے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو ابوعبیدہؓ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد الله استو جبو من الله النصر بالصبر فان الله مع الصبرين

''یعنی اللہ سے مدد چاہتے ہوتو ثابت قدم رہو کیونکہ اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہوتا ہے''۔

---

[1] فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لے کر گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔

رومیوں نے جو تقریباً پچاس ہزار تھے' آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے ہوئے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالدؓ چونکہ ہراول پر تھے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالدؓ ادھر سے پلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے یونکہ اس مین سوار ہی سوار تھے۔ قدر انداز نہ تھے رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالدؓ پر حملہ آور ہوا۔ خالدؓ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالدؓ نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کی صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے

افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہؓ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا اللہ کی قسم جب تک اس کو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں گا پھر کر نہ آؤں گا۔ یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح نامہ لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے[1] حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان و مال زمین مکانات گرجے عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

حمص ۱۴ھ (۶۳۵ء)

شام کے اضلاع میں یہ ایک بڑا ضلع ہ اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو امیساء کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس کی شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا دیوہیکل تھا جس کے تیرتھ کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا، حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا۔

---

[1] واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے طبری وغیرہ میں اس کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے واقعہ کی کیفیت بھی خلاف ہے

اس لیے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بعلبک پڑتا تھا وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں سے مقابل ہوئی لیکن خالدؓ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالدؓ نے بہرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص روانہ کیا راہ میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھی مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرجیل حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے۔ شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے ان کو تنہا دیکھ کر حملہ کیا۔ انہوں ے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی ساتھ ہی یہ بھی پہنچے گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ سے زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالدؓ اور ابوعبیدہؓ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرہ کے ساما پھیلا دیے۔ چونکہ نہایت سردی تھی رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آ چکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ ہوئی لیکن سعد بن ابی وقاصؓ نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا[1]۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابوعبیدہؓ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ[2] کی طرف روانہ ہوئے۔ حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا وہاں سے روانہ ہو کر شیزر اور شیزر سے معرۃ السمعان پہنچے اوران مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی۔ ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ فینیشن کے عہد میں اس کو امانثا کہتے تھے حضرت ابوعبیدہؓ نے

یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی ایک دفوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیبی سمجھا اور شہر کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے۔

۱؎ کامل ابن الاثیر

۲؎ یہ ایک قدیم شہر حمص اور قسرین کے درمیان واقع ہے۔

مسلمان اسی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعتہً حملہ کیا اور دم کی دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ نے خاص ہرقل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرح بھیج بھی دیں لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں۔۱؎ اور بڑے بڑے شہروں میں افسروں اور نائب بھیج دیے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالدؓ ایک ہزار فوج لے کر دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاصؓ نے اردن میں قیام کیا۔ ابو عبیدہؓ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک ۵ رجب ۱۵ھ (۶۳۶ء)

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا ہے۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں جمعیت میں سروسامان میں کم ہیں پھر تم ان سے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بوڑھے نے عرض کیا کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ

رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک ایک سے برابری سے ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کا ہوتا ہے ہمت و استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ جزیرہ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہوں سکیں روانہ کیے جائیں۔ ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھیں فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔[1]

---

[1] فتوح ازردی ص ۱۳۱

حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے خود اپنے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! اللہ نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے۔ چنانچہ اس کے صلے میں اللہ نے ہمیشہ تم کو مظفر و مصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سروسامان سے تمہارے مقابلے کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیانؓ (معاویہؓ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میرے رائے ہے کہ بچوں اور عورتوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آراء ہوں اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقعہ پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینا چاہیے

یزید نے جو رائے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل وعیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اٹھ کر کہا امیر تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں اس لیے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہ ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے ابوعبیدہؓ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت عبیدہؓ نے حبیب بن سلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج وصول کیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو دشمنوں سے بچا سکیں۔ لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لیے جو کچھ وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق ہے اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں کو اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ اللہ تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابوعبیدہؓ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔[1]

غرض ابوعبیدہؓ دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے' نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ک فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ اللہ نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا۔ ابوعبیدہؓ کو جواب میں لکھا کہ میں مدد کے لیے سعید بن عامرؓ کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابوعبیدہؓ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان' معاذ بن جبلؓ سب نے مختلف رائے دیں' اسی اثناء میں عمرو بن العاصؓ کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابوعبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجی جو جا بجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو میں وہیں آ کر تم سے ملتا ہوں[2]۔

دوسرے دن ابوعبیدہؓ دمشق سے روانہ ہوئے اور اردن کی حدود پر یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ عرمو بن العاصؓ بھی یہیں آ کر ملے۔ یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد کی بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں حضرت عمرؓ نے سعید بن عامرؓ کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ادھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان اور حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے راہب اور خانقاہ نشین جنھوں نے کبھی خلوت سے باہر قدم نہیں نکالا' نک نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں' خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا۔

ا ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان میں ص ۱۳۷ میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳۸) میں تفصّل سے لکھا ہے۔

۲ میں نے یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابوعبیدہؓ کا حمص چھوڑ کر چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

تمام صحابہؓ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ امیر المومنین! اللہ کے لیے ہم کو اجازت دیں کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں خدانخواستہ ان کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے۔ مہاجرین وانصار کا جوش برابر بڑھتا جا تا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن کر اور ہم کو ساتھ لے کر چل لیکن اور صحابہؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ امدادی فوجیں بھیجی جائیں حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں؟ اس نے کہا کہ یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نہایت غم زدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے کہ اتنے عرصے میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے۔ ابوعبیدہؓ کے نام نہایت پر تاثیر الفاظ ین ایک خط لکھا اور قاصد سے کاہ کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبان کہنا:

الاعـمـر یقرنک السلام ویقول لکم یا اهل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدو اعلیهم شد اللیوث ولتکونو اهون علیکم من الذر فانا قد کنا علمنا انکم علیهم منصورون

یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابوعبیدہؓ کے پاس آیا اسی دن عامرؓ بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ملی اور انہوں ں ے نہایت استقلال سے لڑائی کی

تیاریاں شروع کیں۔ رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں۔ خالدؓ نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں معاذ بن جبلؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھی میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج پر افسری دی۔ اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسرہ بن مسروق عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر تمام عرب میں منتخب تھے اوراس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے دولاکھ سے زیادہ جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں جن کے آگے آگے ان کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیے جوش دلاتے جاتے تھے فوجیں بالکل مقابل آ گئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالدؓ نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل	نساء	الحی	فی حجالھا
الست	یوم	الحرب	من ابطالھا

''پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا''۔

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا ان کا وار چل گیا۔ تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالدؓ نے کہا شگون اچھا ہوا اور اب اللہ نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالدؓ ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں لیکن سب نے شکست کھائی۔ اس دن یہیں تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو باہاں نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت ونعمت کا مزہ پڑ چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مال وزر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس رائے پر اتفاق

کیا۔ دوسرے دن ابوعبیدہؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم اس سے صلح کرنا چاہتے ہیں ابوعبیدہب نے خالدؓ کا انتخاب کیا۔ قاصد جو پیغام لے کر آیا س کا نام جارج تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق وشوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت سکون وقار ادب خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی قاصد نہایت حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب نماز ختم ہو چکی تو اس نے ابوعبیدہؓ سے وٗ چند سوالات کیے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابوعبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں:

یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکموا تقولو علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن المریم رسول اللہ و کلمتہ القھا الی مریم سے لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون

مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا تو جارج بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہی اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ ک یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے جانا۔

دوسرے دن خالدؓ رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالدؓ اس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پ رنظر ڈالتے جاتے تھے کہ جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس رکے تو نہایت احترام کے ساتھ اس نے استقبال کیا ارلا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم

ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالدؓ نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایساہ ہوگا لیکن ہم نے جس کو اپنا سردار بنا رکھا ہے اس کو ایک لحظہ کے لیے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو فوراً اس کو معزول کر دیں۔ باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ اہل عرب! تمہاری قوم کے جو وگ ہمارے ملک میں آ کر آباد ہوئے ہ نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستان سلوک کیے۔ ہمارا خیال تھا کہ ان مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کیے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم کو کیا تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل وحشی اور بے سروسامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے۔ ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالدؓ اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہ تم دولت مند ہو مالدار ہو صاحب حکومت ہو تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ہم کو بھی معلوم ہے۔ لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیساء ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر لڑ رہے ہیں یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے اللہ بنا رکھے تھے اور ان کو پوجتے تھے اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سے سب سے زیادہ شریف زیادہ فیاض ازیادہ پاک خو تھا۔ اس نے ہم کو توحید سکھلائی اور بتا دیا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا اور بالکل یکتا و بےگانہ ہے۔ اس نے ہم کو بھی یہ حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول

کیا اس کیہم حامی اور محافظ ہیں۔ جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لیے تلوار ہے۔

باہا ننے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھریا اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالدؓ اٹھکر چلے آیئے اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالدؓ کے چلے آنے کے بعد باہا ننے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سنا اہ عرب کو دعویٰ ہیکہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم کو انکی غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سرو سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوگئی۔ خالدؓ نے یہ دیکھ کر کہ عرب کے تمام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آئی ہے۔ فوج جو ۳۰، ۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کیے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں قلب میں فوج ابوعبیدہؓ کو دیا میمنہ پر عمرو بن العاصؓ اور شرجیل مامور ہوئے۔ میسرہ و یزید بن ابی سفیانؓ کی کمان میں تھا۔ اس کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیے تھے چن کر ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ مس شہرت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہلچل ڈال دیتے تھے۔ اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں۔ انہیں میں ابوسفیانؓ بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔

الا انکم زادة العرب و انصار الاسلام و انهم زادة الروم و انصار الشرک اللهم ان هذا یوم من ایامک اللهم انزل نصرک علی عبادک

عمرو بن العاصؓ کہتے پھرتے تھے:

ایها الناس غضو ابصارکم و اشرعوا الرماح و الزمو امرکم فاذا حمل عدوکم فامهلوهم حتی اذارکبو ا اطراف الاسنة فبثوا فی وجوههم وثوب الاسد

''یارو نگاہیں نیچی رکھو۔ برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو پھر جب
دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آ
جائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔''

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی ۳۰، ۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزر سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ حمدان حولان، لخم، جذام، وغیرہ کے مشہور سردار تھے۔ اس معرکہ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ کہ عورتیں اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہؓ کی ماں ہندؓ حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں

'' عضدو العظفان بسیوفکم''

امیر معاویہؓ کی بہن جویریہؓ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقدادؓ جو نہایت خوش آواز تھے، فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جس میں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔ جنگ کی ابتداء رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل لشکر ایک ساتھ بڑھا۔ ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر! کس قدر بے انتہا فوج ہے۔ خالدؓ نے جھلا کر کہا چپ رہ! اللہ کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی اور فوج بڑھا لیں۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور و شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان

دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ ''نامردو ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دینگے۔'' خولہؓ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا ھاربا	عن نسوۃ	تقیات
رمیت	بالسھم	والمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبلؓ جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے، اور کہا کہ ''میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔'' ان کے بیٹے نے کہا ہاں، یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے۔ پانچ سو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ ازدیو! دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔ نو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعتہً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ عکرمہؓ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ ﷺ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ

سکتا ہے؟ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہؓ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالدؓ نے اپنے زانو پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا اللہ کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔[1]

غرض عکرمہؓ اور ان کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے۔ خالدؓ کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالدؓ ان کو دباتے ہوئے سپہ سالار درنجار تک پہنچ گئے۔ درنجار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اس وقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتال گرم تھا۔ ابن قناطر نے میسرہ پر حملہ کیا۔[2] بد قسمتی سے اس حصے میں اکثر لخم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے، رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرجیل بن حسنہؓ داد شجاعت دے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے اللہ سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔

1۔ تاریخ طبری واقعہ یرموک

لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لا کر دے دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعوز گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت۔ دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیانؓ (معاویہؓ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے ان کے باپ ابوسفیانؓ جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے، ان کی طرف آ نکلے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا، جان پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے، تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے۔ شرجیل کا یہ حال تا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن مجید کی یہ آیت:

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنتہ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون (9، التوبہ :111)

پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ "اللہ کے ساتھ سودا کرنے والے اور اللہ کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟" یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آ کھڑی ہوئیں اور چلا کر کہتی تھیں کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعتہً قیس بن

ہیرہ جن کو خالدؓ نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا، عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی دور ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آ گئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا

ومنا ابن عتاب و ناشد رجلہ

ومنا اللذی ادی الی الحی حاجبا [1]

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاصی، ابان اور سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا۔ ''الوداع اے شام'' ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جس میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمرؓ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعتہً سجدے میں گرے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

ابوعبیدہؓ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالدؓ کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی، یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت

سے آ کر آباد ہو گیا تھا۔ یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں زندگی بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا اثر یہ ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ہم قومی کے اتحاد سے ان کو اسلام کی ترغیب دی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنوسلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابوعبیدہؓ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابوعبیدہؓ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمتہ الجیش کے افسر تھے، شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جذیہ دینا منظور کیا اور ان کی جان، مال، شہر پناہ، مکانات، قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔

---

1 یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ 131 میں مذکور ہے۔

حلب کے بعد انطاکیہ آئے چونکہ یہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آ کر پناہ لی تھی۔ ابوعبیدہؓ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا، عیسائی خود آ کر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہؓ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا، جومہ، سرمین، توزی، قورس، تل غراز، دلوک، رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہو گئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے، ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی ہے، یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ ایاد، رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی

تیاریاں کررہے تھے۔حبیب بن مسلمہ نے ان پرحملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ خالدؓ نے مرعش پر حملہ کیا اوراس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس 637ء 16ھ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین عمرو بن العاصؓ کے حصے میں آیا۔عمرو بن العاصؓ نے بعض مقامات حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک تو نابلس، لد، عمواس، بیت جرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کرا بوعبیدہؓ سے جا ملتے تھے اوران کو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اپنے کام میں مشغول ہوجاتے تھے۔1 یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کرکے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔عیسائی قلعہ بند ہوکر لڑتے رہے۔اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ شام کے انتہائی اصلاح قسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے۔ چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔

---

1 فتوح البلدان صفحہ 140

حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہؓ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ عیسائی مرعوب وشکستہ دل ہوچکے ہیں۔آپ ان کی اس درخواست کو رد کردیں تو ان کو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے لیکن حضرت علیؓ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمرؓ نے انہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں کیں 1 حضرت علیؓ کو نائب مقرر کرکے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کئے 2 اور جب 16ھ

میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا، کس سروسامان سے ہوا ہوگا لیکن یہاں نقارہ نوبت، خدم وحشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آ کر ان سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیانؓ اور خالد بن ولیدؓ وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پر تکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان وشوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کہ قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں (یعنی سپہ گری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا ''تو کچھ مضائقہ نہیں'' 1۔ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا، عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی:

کم تر کوا من جنات وعیون (44/ الدخان:25)

پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

1۔ یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علیؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کا نام لیا ہے۔

2۔ یعقوبی (ص 2402)

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ہے خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ غرض معاہدہ صلح لکھا گیا بڑے بڑے معزز صحابہؓ کے دستخط ہو گئے۔[1]

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اٹھلانے لگا۔ فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی۔ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا، اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔ غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے۔ کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلالؓ (رسول اللہ ﷺ کے موذن) نے آکر شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی

نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دے دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

1۔ یہ طبری کی روایت ہے بلاذری ازدی نے لکھا کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا۔ اس معاہدے کو بتمامہا ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ۔

ایک دن نماز کے وقت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو۔ بلالؓ نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک یاد آ گیا اور رقت طاری ہوئی۔ ابوعبیدہ معاذ بن جبلؓ روتے روتے بے تاب ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب احبارؓ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے۔ اس کو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمرؓ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعبؓ نے کہا کہ "صخرہ کی طرف" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آ کر جوتی اتار دی۔ 1 اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصے کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش 17ھ 638ء

یہ معرکہ اس لحاظ سے یادرکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمیسیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمیبیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع تر ہوجاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر سے جزیرہ والے 30 ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔ ابوعبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں، ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔

1۔ تاریخ طبری، ص2408

ابوعبیدہؓ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ قعقاع بن عمر جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبیں کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیرہ والوں نے جب سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آتے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہوجائیں۔ خالدؓ نے کہلا بھیجا کہ افسوس! میں دوسرے شخص (ابوعبیدہؓ) کے ہاتھ میں ہوں اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے

ٹھہرے اور چلے جانے کی مطلق پرواہ نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ ادھر فوج نے ابو عبیدہؓ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالدؓ سے پوچھا۔ خالدؓ نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے۔ عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی پھر کس بات کا اندیشہ ہے، اس پر بھی ابو عبیدہؓ کا دل مطمئن نہ ہوا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پرزور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بے قرار تھی۔ ابو عبیدہؓ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعتہً سب نے ہتھیار سنبھال لئے۔ ابو عبیدہؓ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ اور میسرہ کو لے کر بڑھے۔ قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے، حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہؓ سے ملے۔ مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالدؓ سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک ان کے قدم نہ جملے۔ یہ آخری معرکہ تھا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالدؓ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور 17 ھ (638ء) کے واقعات میں حضرت خالدؓ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالدؓ کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی سنہ 13 ھ کے واقعات میں خالدؓ کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی 17 ھ کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ

عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالدؓ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا لیکن چونکہ خالدؓ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے، اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالدؓ نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔ حضرت عمرؓ کو ان کی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہوسکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بے دریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالدؓ کو لکھا کہ ''تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔'' خالدؓ نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالدؓ کے حال میں بتفصیل لکھا ہے۔

بایں ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابوعبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد سنہ 17ھ (638ء) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے۔ پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالدؓ جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمع عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا؟ خالدؓ اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا کے لئے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا سپہ سالار جس کی نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا

تھا، اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوط و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالدؓ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالدؓ نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے؟[1]

خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ اللہ کی قسم تم میرے معاملہ میں ناانصاف کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ خالدؓ نے کہا کہ مال غنیمت سے اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی سے یا خیانت کی بناء پر موقوف نہیں کیا لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔[2]

ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص با آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالدؓ کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وباء 639ء 18ھ

اس سال شام، مصر اور عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز سنہ 17 ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ[2] پہنچ کر ابو عبیدہؓ

وغیرہ سے جو

1 دیکھو کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف ص 87 اور تاریخ طبری صفحہ 25,27

2 طبری، صفحہ 25,28

3 ایک مقام کا نام ہے۔

ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اول اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا اور طیش میں آ کر کہا:

افرار امن قدر الله

''یعنی اے عمر! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو''

حضرت عمرؓ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا:

نعم افر من قضاء الله الی قضاء الله

''یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی طرف ہوں''

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ۔ ابو عبیدہؓ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ ''فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے، اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔'' ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر

مقام کیا جو آب وہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔

جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہؓ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آ چکا تھا، حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی، ادھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے پر مصر نازل ہوئی تھیں اس لئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہئے۔ معاذؓ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وباء بلا نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہے۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا:

یا اینی الحق من ربک فلا تکونن من الممترین

یعنی ''اے فرزند! یہ اللہ کی طرف سے ہے، دیکھ شبہہ میں نہ پڑنا'' بیٹے نے جواب دیا:

ستجدنی انشاء الله من الصابرین

یعنی ''اللہ نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے'' یہ کہہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے عمرو بن العاصؓ کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی اللہ کے قرب کا حجاب تھی، بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی لقمہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذؓ اس کو اللہ کی رحمت سمجھا گئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی لیکن عمرو بن العاصؓ کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذؓ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے۔ اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہؓ کو جو معاذؓ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا ''تو جھوٹ کہتا ہے۔'' تاہم عمروؓ نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وباء کا خطرہ جاتا رہا لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ

25 ہزار مسلمان جو آدھی دنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے، موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ ان میں ابوعبیدہ، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، عتبہ بن سہیلؓ بڑے درجے کے لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذؓ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہؓ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز وباء کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رک گیا۔ فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ برفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو لئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا، کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے اور شام کو اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ وباء میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں، ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے۔ (ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی) چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا اور انتظامات کئے تھے، ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں، لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال مہاجرین و انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور

روز ینے مقرر کئے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

قیساریہ[1] کی فتح شوال 19ھ (640ء)

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے۔ اس شہر پر اول اول 13ھ (635ء) میں عمرو بن العاصؓ نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہوسکا۔ ابوعبیدہؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیانؓ کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ وہ 17 ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا لیکن سنہ 18ھ (639ء) میں جب بیمار ہوئے تو اپنے بھائی امیر معاویہؓ کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہؓ نے بڑے سروسامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہوسکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہؓ کے پاس آ کر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتیوں کے پشتے لگا دیئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی (80) ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اس کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہوگیا۔

جزیرہ[2] (637ء) 16 ہجری

مدائن کی فتح سے دفعتہً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں۔ عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب ان کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔

---

[1] بلاذری

2 جزیرہ اس آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اس کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مغرب آرمیسیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام، مشرقی عراق، شمال آرمیسیہ کے کچھ حصے۔ یہ مقام درج نقشہ ہے۔

سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبداللہ بن المعم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمتہ الجیش پر ربعی بن الافکل، میمنہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات بن حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعم پانچ ہزار کی جمعیت سے تکریت 1 کی طرف سے بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا، مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا اور 24 دفعہ حملے ہوئے۔ چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شریک تھے عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو، ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے۔ یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا۔ عجمی مقابلے کو نکلے تو خود ان کے ساتھ کے عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر بالکل پامال ہو گئے۔

یہ معکرہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آ گیا تھا، اس لئے مورخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ سنہ 17 ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعدؓ کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعدؓ نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر ''رہا'' کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار

مقام تھا، ڈیرے ڈالے۔ یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔'' رہا'' کے بعد چندروز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں، ان کے یہ نام ہیں۔ رقہ، حران، نصیبین، میارفارقین، سمساط، سروج، قرقیسیا، زوزان، عین الوردة۔

1۔ تکریت جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی ہوئی ہے، دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے چھ منزل پر ہے۔

☆☆☆

خوزستان 1

15ھ (636ء) ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے، انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن وامان قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ 16ھ (637ء) کے شروع میں اہواز پر جس کو ایرانی ہرمزشہر کہتے تھے، حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ وہیں رک گئے۔ 17 ہجری (638ء) میں مغیرہ معزول ہوکران کی جگہ ابوموسیٰ اشعریؓ مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی اور اعلانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابوموسیؓ نے لشکرکشی کی اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی، اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہوگیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بن کر تقسیم کیے گئے، لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابوموسیؓ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے، شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کو سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابوموسیؓ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کرلیا اور ابوموسیؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کردی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابوموسیؓ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اس کو امن دے دیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانہ جب سو کی تعداد پوری ہوگئی تو ابوموسیؓ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرادیا سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ کیا

اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی۔ یزدگرد اس وقت قم میں مقیم تھا اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابوموسیٰؓ کی دست درازیوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت واقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔

1 خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں 14 بڑے شہر ہیں جس میں سب سے بڑا اہواز ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے۔

یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچ قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا۔ اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا، پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت اعظم فراہم ہوگئی، ابوموسیٰؓ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے عمار بن یاسرؓ کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ بھیجیں لیکن غنیم نے جو سروسامان کیا تھا، اس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابوموسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمارؓ کو حکم بھیجا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدھی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابوموسیٰؓ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر جریر بجلیؓ ایک بڑی فوج لے کر جلولا پہنچا ابوموسیٰ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابوموسیٰؓ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ براء بن مالک کو دیا (یہ حضرت انسؓ مشہور

صحابی کے بھائی تھے) میسرہ پر براء بن عازبؓ انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انسؓ کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ ادھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے، ساتھ ہی مخبراۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے، بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں۔ ابو موسیٰؓ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوشتر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہہ خانے کی راہ شہر میں داخل ہوا اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا، شہری نے ان کو تمام عمارت کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابو موسیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا، آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰؓ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ اللہ کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرف اسی تہہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے اور پہرہ والوں کو تہہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ ادھر ابو موسیٰؓ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو، عمرؓ کے ہاتھ سے

ہو۔ ابوموسیٰؓ نے منظور کیا اور حضرت انسؓ کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان وشوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی اور شاہان عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان وشوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبہ نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے، اس کا دربار بھی بڑے سروسامان کا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان وشوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''یہ دنیائے دوں کی دل فریبیاں ہیں۔'' اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے، اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہؓ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اس لئے انہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہؓ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے، اس لئے کہا کہ از کدام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعدؓ سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔ شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ [1] حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمرؓ! جب تک اللہ ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے، اب اللہ تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔

1۔ ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی

لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ 1؎ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوستر سے 24 میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا۔ ''تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے، اب جھگڑا کیا رہا۔'' سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰؓ نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

عراق عجم 2؎ (641ء) 21 ہجری

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں یزدگرد رے چلا گیا لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بے وفائی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر مرو میں اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی، اس کے لئے آتش کدہ تیار کرایا اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔

1؎ عقدالفرید لابن عبدربہ، باب المکیدۃ فی الحرب

2؎ سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے۔ مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر مراغہ واقع ہے۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت رے بالکل ویران ہو گیا اور اسی کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاچار کا دارالسلطنت ہے۔

یہیں خبر ملی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا، زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب وداب باقی نہیں رہا تھا، تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتہً نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحد مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی۔ اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے۔ اس سے دفعتہً طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قم میں آ کر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مروان شاہ کو (جو ہرمز کا فرزند تھا) سرلشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کادیانی جس کو عجم فال ظفر سمجھتے تھے، مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مروان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسرؓ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ عمارؓ کا خط لئے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کے کہا کہ گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران

کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہؓ نے اٹھ کر کہا کہ "امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں، بجا لائیں۔" حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "میری رائے ہے کہ شام، یمن اور بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے اٹھیں۔ کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رخ کیا جائے۔" حضرت عثمانؓ کی اس رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام، یمن اور بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں، ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بن کر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرنؓ کو منتخب کیا اور سب نے اس کی تائید کی۔ نعمانؓ تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہؓ شامل تھے جن میں سے حذیقہ بن الیمان، عبداللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو معدی کربؓ زیادہ مشہور ہیں۔ نعمانؓ نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے نو میل ادھر "اسپد

ہاں'' ایک مقام تھا، وہاں پہنچ کر پڑا کیا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں، ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمانؓ کے پاس سفارشات کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے، سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مروان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زر پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے، دیبائے زرکش کی قبائیں، سر پر تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں، جن کی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مروان شاہ نے کہا، اہل عرب! سب سے زیادہ بد بخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک جو قوم ہوسکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں، ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔ مغیرہؓ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل وحقیر تھے لیکن اس ملک میں آ کر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزے ہم سے اسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بجھ جائیں۔ غرض سفارت بے حاصل ہوگئی اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ نعمانؓ نے میمنہ اور میسرہ حذیفہؓ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا، ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ ادھر میمنہ پر زروک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمانؓ نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور قعقاعؓ کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور

اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے، جس قدر بڑھتے آتے تھے، پیچھے کو کھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاعؓ نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمانؓ نے جو ادھر فوجیں جما رکھی تھیں، موقع کا انتظار کررہی تھیں۔ جونہی عجمی زور پر آئے، انہوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن نعمانؓ نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے، اس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہؓ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمانؓ اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کررہے تھے کہ رسول اللہؐ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی تو نعمانؓ نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج اپنے سامان سے درست ہوگئی۔ دوسرے لوگوں نے تلواریں تول لیں اور تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمانؓ کا گھوڑا پھسل کر گرا، ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہوگئے۔ ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے، نعیم بن مقرن ان کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ اس تدبیر سے نعمانؓ کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔

اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبط و استقلال دیا تھا، اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ نعمانؓ جس وقت زخمی ہوکر گرے تھے اعلان کردیا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا۔ دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آگیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا ''مسلمانوں کی فتح ہوئی'' اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرکے کہا کہ فوراً

عمرؓ کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا، حذیفہ بن الیمانؓ نے جو نعمانؓ کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا، یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا، اس کا موبد حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کئے جس کو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہؓ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدہ سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے لیکن جب نعمانؓ کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہداء کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ عمرؓ نہ جانے تو نہ جانے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔ جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہؓ سے کہو کہ بیچ کر فوج میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم میں فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں قریباً تیس ہزار عجمی لڑ کر مارے گئے۔ اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

ایران پر عام لشکر کشی 21 ہجری (642ء)

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق، البتہ ممالک محروسہ میں شامل کر لیا گیا تھا لیکن وہ در حقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔

حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ ''کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے، نہ ہم ان پر چڑھ سکتے۔''

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے، وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہؓ کو بلا کر پوچھا کہ ''ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟'' لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہوسکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کا یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے، اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہوسکتیں۔

اس بناء پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم اصف بن قیس کو سابور و اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو فسا کا ساریہ بن رہم الکنانی کو کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمر کو، مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو آذربائیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ 21ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ 21ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جن کا نام استدار تھا، اصفہان کے نواحی میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی، جس کے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آ کر پکارا کہ جس کا دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ عبداللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں۔

دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا، عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلی اور کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا اور شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثناء میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن ویلم نے رے و آذربائیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا، انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربائیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ آخر ویلم نے شکست کھائی، عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لے گئے تھے، اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اس دن کی تلافی ہو جائے۔ حضرت عمرؓ ویلم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتہً عروہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رے کو روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاؤش تھا جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا۔ اس نے دنباوند طبرستان قوس جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں لیکن زینبدی جس کو سیاؤش سے کچھ ملال تھا۔ نعیم بن مقرن سے آملا۔ اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور حملہ کے ساتھ دفعتہً شہر فتح ہو گیا۔ نعیم ن زینبدی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے

آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خودرے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربائیجان [1]22ھ (643ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربائیجان کا علم عتبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام، عتبہ کا سدراہ ہوا لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربائیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا، عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربائیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربائیجان کا علم حذیفہ بن یمانؓ کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربائیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجروان، میمند، سراۃ، سبز، میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

---

[1] نقشہ دیکھنے سے آذربائیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے (سابق میں شہر مراغہ دار الصدر تھا) بروعد اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں۔ آذربائیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ موبد آذر آباد نے ایک آتش کدہ بنایا تھا جس کا نام آذر آبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے منی آتش کے ہیں اور بایگان کے معنی ہیں محافظ یعنی نگاہ دارندہ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتش کدوں

کی کثرت تھی، اسی وجہ سے یہی نام ہو گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذر بائیجان کرلیا۔

اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہؓ کو معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فقدان ان کی جگہ پر مقرر ہو گئے۔عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذر بائیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان 22ھ (643ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کرلیا تو ان کے بھائی سوید، قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ وجدل کے قبضہ میں آ گیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا۔اس نے جزیہ پر صلح اور معاہدہ صلح میں بتصریح لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا، اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ 22ھ

بکیر جو آذر بائیجان کی مہم پر مامور تھے، آذر بائیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جس کا نام شہر براز تھا مجوسی تھا، سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لی جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے۔اس لئے یہ

شرط منظور کر لی گئی۔

1. نقشہ میں صوبہ طبرستان فتوحات عثمانی میں ملے گا۔ اس لئے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں خراسان و جرجان مغرب میں آذربائیجان اور جنوب میں بلاد خیل بسطام اور استر آباد اس کے مشہور شہر ہیں۔

2. صوبہ آرمیبہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں۔ جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال بحر اسود، جنوب میں کوہی صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے۔ مشرق میں گرجستھان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا، اس لئے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے۔

اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ، بلنجر کی طرف جو مملکت خرز کا پائے تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا، اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا لیکن میں جب تک اس کے جگر میں گھس جاؤں باز نہیں آ سکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے نفلیس اور جبال اللان کا رخ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑتا، حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس[1] 23ھ (644ء)

فارس پر اگرچہ اول اول سنہ 17ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اس کو چنداں کامیابی ہوئی۔ ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علامہ ابن الحضرمی سنہ 17ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد بن ابی وقاصؓ سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہر میدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے۔ سعدؓ نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علامہ ابن الحضرمی کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سرلشکر تھے اور جارود بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا۔ وہ ایک انبوہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں، کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آ گئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کرنے کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ ''مسلمانو! بے دل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔''

---

[1] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کے حدود یہ تھے۔ شمال میں اصفہان، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب۔ اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔

خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز یہ تھا:

یا	عبد	آل	القیس	للنزاع
قد	حفل	الامداد		بالجراع
وکلھم	فی	سنن		المصاع
بحسن	ضرب	القوم		بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا۔ اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا، آگے نہ کچھ بڑھ سکے۔ پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہاز غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جابجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا، ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو سبرہ تھے، تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے، وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ ادھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کثیر جس کا سر لشکر شہرک تھا، اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے۔ بالآخر ابو بہرۃ نے فتح حاصل کی لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے ''توج'' کو صدر مقام قرار دے کر یہاں بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ ان کی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابورا، اردشیر، توج، اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی 23ھ میں جب عثمان بن ابی العاصؓ بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مر

زبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمانؓ نے اپنے بھائی کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکاواں فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کئے۔ یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اس طرح اردشیر، سابور، اصطخر، ارجان کے بہت سے حصہ دبا لئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ رامشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمانؓ نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک بیٹھ گئی۔ عثمانؓ نے جس طرف رخ کیا، ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون، نوبندجان، ارجان، شیراز، سابور، جو فارس کے صدر مقامات ہیں، خود عثمانؓ کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فسا، دارالجبر وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان 23ھ (644ء)

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ سنہ 23ھ میں ایک فوج لے کر جس کا ہراول بشیر بن عمرالعجلی کی افسری میں تھا۔ کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا لیکن وہ خود میدان جنگ میں بشیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی، جیرفت اور سیرجاں تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بے شمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستان 23ھ (644ء)

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا ہے۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑ کر بھاگ نکلے۔ عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے، محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام ارضی حمیٰ سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلغ تک جس قدر ممالک تھے، ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آ گئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

---

1 اس کا قدیم نام کرمانیہ ہے، حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان، جنوب میں بحر عمان، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے۔ زمانہ سابق میں اس کا دار الصدر کواشیر (بردسیر) تھا جس کی جگہ اب حیرفت آباد ہے۔

---

2 سیستان کو عرب سجستان کہتے ہیں، حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے۔ مشہور شہر زرنج ہے، جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ 25000 میل مربع ہے۔

مکران 1 23ھ (644ء)

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ سنہ 23ھ میں روانہ ہو کر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں۔ مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا، خود پار اتر کر آیا اور صف آرائی کی۔

ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے فتح نامہ کے ساتھ چند ہاتھی بھی لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو فتح نامہ لے کر گئے تھے، حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا

ارض سھلھا جبل وماء ھا وشل و ثمرھا وقل و عدوھا باطل و خیر ھا قلیل و شرھا طویل ولکاثیر بھا قلیل

حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا ''میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔'' حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ '' فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں رک جائیں۔'' چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ ریبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ ہند میں بھی آ چکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت 23ھ (644ء)

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے، ان میں احنف بن قیس بھی تھے اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے 22ھ میں خراسان کا رخ کیا۔ طبین ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مرو شاہجان پر بڑھے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر وہ مرود چلا گیا اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے۔ احنف نے مرو شاہجان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آ گئیں جس کے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النصری، وبعی بن عامر التمیمی، عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی، ابن غزال الہمدانی تھے۔

1۔ آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے۔ اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی فتوحات فارقی کی ہیں تک حد قرار دی ہیں۔

2۔ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر فرغانہ خوارزم، طخارستان اور سیستان رقبہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں۔ اس کے مشہور شیر نیشاپور، مرد، ہرات، بلخ، طوس فسا اورابی وردوغیرہ تھے، جن میں سے پچھلے دواب بالکل ویران ہیں۔

احف نے تازہ دم فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احف نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کرلیا۔ مرورود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراستان اسلام کے قبضہ میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے، خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احف شرقیوں کا سرتاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نامہ لکھا، اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ ادھر یزدگرد، خاقان کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت وتوقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمدسن کر مرورود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مرد شاہجہاں کی طرف بڑھا۔ احف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر اتر کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا، صف آرائی کی۔

دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا، بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے۔ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں، پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ایک دن احف خود میدان جنگ میں گئے۔ادھر سے معمول کے موافق ایک ترک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔احف نے حملہ کیا اور دیر تک ردوبدل رہی۔آخر احف نے ایک برچھی ماری۔ترک زمین پر گر کر مر گیا۔احف نے جوش میں آکر کہا۔

ان	علی	کل	ربی حقا
ان	تخضب	الصعدۃ	او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے اور احف کے ہاتھ سے مارے گئے۔خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔چونکہ شگون برا تھا، نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزدگرد مروشاہجہاں کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے، وکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دار السلطنت تھا مقیم رہا۔احف نے حضرت عمرؓ کو فتح کا نامہ لکھا۔قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیوں جمع کر کے مژدہ فتح سنایا اور پر اثر تقریر کی۔آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو اللہ تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔

مصر کی فتح 20 ہجری (641ء)

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاصؓ تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اس زمانے میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اس کی زرخیزہ اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچے۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا، عمرو نے کہا کہ اب تم ہم مصر کی حد میں آ چکے۔[1] غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو فرما سے چل کر بلبیس اور ام دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ فسطاط اس زمانے میں کف دست میدان تھا اور اس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے، یہیں رہا کرتے تھے۔

---

[1] مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمروؓ سے ملا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا، قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لوں گا۔ عریش کے قریب پہنچے تو لے کر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو

رک جانا لیکن ہم تو مصر کی حد میں آ چکے لیکن عمرو بن العاصؓ کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے۔ اولاً تو بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عریش ہی میں ملا لیکن رفح میں ملا تب بھی کچھ حرج نہیں کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے۔

اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آ کر لگتی تھیں ان وجودہ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمروؓ نے اول اسی کوتا کا اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس جو مصرہ کا فرمانروا اور قیصر کا باجگزار تھا، عمرو بن العاصؓ سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمروؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن عمر، سلمہ بن مخلدؓ تھے۔ زبیرؓ کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دے دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا، مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے۔ اس کے ساتھ منجیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے۔ اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح وشکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیرؓ نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل گئی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے۔ ادھر زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی

درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاصؓ اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاصؓ نے قبول کر لی اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمروؓ نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک واحتشام سے آئے اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمروؓ نے پہلے سے حکم دے دیا تھا، سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ چھینٹیں اڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ کھانے کے بعد رومیوں نے کہا، وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمروؓ نے کہا وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے صلح معاہدہ لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضگی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔

اسکندریہ کی فتح 21ھ (641,42ء)

فسطاط کی فتح کے بعد عمروؓ نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی، عمروؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمروؓ کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلہ لگا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمروؓ نے اسکندریہ سے واپس آ کر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا۔ اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال

21ھ نے اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان رومیوں کی جو آبادیاں تھیں، انہوں نے سد راہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے، فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں مقام کربوں میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی اور عمروؓ نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لئے صلح ہو جائے۔ عمروؓ نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں۔ انہوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمروؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کثرت فوج کے بل پر نہیں کئے۔ تمہارا بادشاہ ہرقل جس سروسامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔[1] مقوقس نے کہا ”سچ ہے یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا۔“ اس پر رومی سردار نہایت غضب ناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

---

[1] فتوح البلدان ص220

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اس نے عمروؓ سے اقرار لے لیا تھا کہ ”چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں، اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے۔“ قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی۔ فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر

تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے پٹکا اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آ کر جان بچائی۔ عمروؓ کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف، مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے کہا زنخون کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاصؓ اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاصؓ نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لئے نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمروؓ نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔ [1]

---

[1] مقریزی ص 164,165 جلد اول

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمروؓ کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ

ہوتی۔جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔عمروؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔عبادہ بن صامتؓ کو جو برسوں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے تھے، بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے۔خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوامؓ اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا۔غرض اس سروسامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ ''جس قدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔معاویہ بن خدیج اونٹنی پر سوائے ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا۔اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی ادھر آ نکلی اور ان کو مسافر کی ہیئت میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اسکندریہ سے'' اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنین بلاتے ہیں۔حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ بن مخلد پہنچ گئے۔فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ الصلوٰۃ جامعۃ سنتے ہی تمام مدینہ امنڈ آیا۔معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے۔وہاں سے اٹھ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے۔حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے۔انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے۔شاید آپ سوتے ہوں۔فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے۔میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔[1]

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس آ گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔الگ الگ قطعے

متعین کیئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کی دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی، فیوم، اشمونین، اخمیم بشرودات، معید اوراس کے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔

1 یہ تمام تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے۔

اسی طرح عمیر بن وہب الجمعی نے سیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنابوہیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیئے۔ 1

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے۔ عمروؓ نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم ہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہیں، ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمروؓ نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے، ایک جمع کیئے، عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا اور مسلمان اور عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے، بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے، اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب آئے۔ 2

حضرت عمرؓ کی شہادت 26 ذوالحجہ 23ھ بمطابق 644ء

کل مدت خلافت 10 برس 6 مہینے 4 دن

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابولولو تھی۔ اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہؓ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی۔ اس نے کہا کہ روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے؟ بولا کہ ''نجاری، نقاشی، آہنگری'' فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

1 فتوح البلدان ص 217

2 طبری ص 2583,2582

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتہً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے۔ جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ ''میرا قاتل کون تھا؟'' لوگوں نے کہا فیروز فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے۔ غالباً شفا ہو جائے۔ چنانچہ ایک

طبیب بلایا گیا۔ اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیں۔"

حضرت عمرؓ نے عبداللہؓ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔" عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔ عبداللہؓ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا کہ یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا، وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہؓ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملے پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہؓ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے [1] اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار

---

[1] حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں، گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؓ کے

متعلق جونکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں مذکور ہے یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا ایک لطیف مزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سر بستہ معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبداللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ کیوں عبداللہ ابن عباس، علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباسؓ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو، پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: لیکن میں جانتا ہوں میں تمہاری قوم، تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ: کیوں؟

حضرت عمرؓ: وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن اللہ کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے۔ کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمرؓ: کیوں عبداللہ ابن عباسؓ! تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسد اور ظلماً چھین لی۔

بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں اس کے ریمارک بتفصیل سے مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔[1]

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کرلیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاردی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین، انصار اعراب، وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں، اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے۔ پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی۔ چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے۔ ''میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور رسول اللہؐ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔''

عبداللہ بن عباسؓ: ظلماً کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے، ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں، پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمرؓ: افسوس! خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ: ایسی بات نہ کہیے۔ رسول اللہؐ بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ: اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ: بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری 768 تا

(2771

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کرسکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

1۔ طبری ص 2777

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہؓ اپنے **بیٹے کو بلا کر** کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کرسکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ الاتفاق علی عثمانؓ) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا۔ 1؂

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا، جس کو امیر معاویہؓ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا۔ ایک مدت تک دارالقضاء کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دارالمصطفیٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔ 2؂

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰن، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہؓ نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم تاب خاک میں

چھپ گیا۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

1 دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر، جلد 7 صفحہ 53

2 (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ 129,179)

حصہ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصہ میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس میں تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرانشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا، کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنٰی واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے؟

فتوحات فاروقی کی وسعت:

حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ (2251030) میل مربع یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب 1036 مشرق کی جانب 1087 جنوب کی جانب 483 میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جذیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آ جاتا ہے شامل ہے۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں۔ سنہ 20ھ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست

میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مورخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا کیونکہ لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عقائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور ان ہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادل بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار ہی برس کے عرصے میں عنان حکومت چھ سات فرماں رواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل نہ مٹا سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسٹورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی، وہ بھی اسلام کے سایہ میں آ کر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آ گئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا۔ اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

یورپین مورخوں کی رائے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر

نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہوسکتا تھا کہ وہ پر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں۔

روم و فارس گو کسی حالت میں تھے، تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا۔اس کے ساتھ رسد کی فراوانی، سروسامان کی بہتات، آلات جنگ کے متنوع، فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان وشوکت کا عین شباب تھا، قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لئے اور نئے سرے سے نظم ونسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ وجلال حاصل تھا۔خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف چار برس کی مدت ہے۔اتنے تھوڑے سے عرصے میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہوسکتی تھی۔البتہ تخت نشینوں کی ادل بدل سے نظام میں فرق آ گیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ،فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔اسی طرح فرقہ نسطورین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر، ایران اور روم کی جنگ میں مصروف تھیں، ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔خود، زرہ، چلتہ، جوشن، بکتر، چار

آئینہ، آہنی دستانے، جہلم اور موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔[1] اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں سے گرز و کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہل ہیں۔ ان کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جس کو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں، جنھوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔

اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانت داری تھی جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ اللہ تم کو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آ سکتا۔

[1] ابن قتیبہ نے اخبار الطّوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اس لئے رومیوں نے مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور افواج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے

جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقائے حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام وعراق پر ہوا۔ ان دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے، اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ 1؎ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ:

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

1؎ آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے، اس لئے قتل عام کا حکم دیا ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا

دیئے۔ اس کے ساتھ 30 ہزار باشندوں کو لونڈی بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے۔ ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا تھا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اس طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم وستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیر پا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اس قسم کی سفا کیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے، اس لئے بغاوت وفساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور اور نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف، درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام جاتے تھے کہ

فان قاتلو کم تلا تعذروا ولا تمثلو والا تقتلو ولیدا[1]

''یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو، کسی کی ناک، کان نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتی تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گھر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی

جائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا جواب یہ دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گزرے ہیں۔ ان کو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط اس قید، اس پابندی، اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

1۔ کتاب الخراج صفحہ 120

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھی البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت قائم نہیں کیا۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے، تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص

آخری سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تخصیص نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوت ہیں لیکن یہ قوت اسی وقت کام دے سکتی ہے

جب کام لینے والا بھی اسی زور وقوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں۔ واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم ونسق تھا وہ خاص ان کی سیاست وتدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعین، فوج کی نقل وحرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال۔ یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور ان کو کس عجیب وغریب زور وقوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا کر بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے، ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں، سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبہ جات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان

کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرخچے اڑا دیئے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظمؓ کے برابر فاتح کشورستان نہیں گزرا۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام قائم نہیں ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آ چکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں، پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا تو اس کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن ایسے مواقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے؟ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری یا شخصی سلطنت کا موازنہ:

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے، وہ عوام کی

مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارو مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج درج ذیل پیدا ہوتے ہیں:

1۔ بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

2۔ چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

3۔ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے، ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوسکتی، جتنی خود ارباب حقوق کو ہوسکتی ہے۔

4۔ چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے۔ اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو، اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا

ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں موجود تھیں۔ لخمی، حمیری اور غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا:

افلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعته ابی بکر فلته وتمت الا وانها قد کانت کذلک لکن الله وقی شرها 1؎

حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل):

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی پیدا نہیں ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خودمختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آ گئیں۔

ان میں سب کے اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امیر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ:

تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کرلیا تھا یعنی مہاجرین وانصار۔

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے اوس وخزرج چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن ابی جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابتؓ اس میں شامل تھے۔2

1 دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ بار دوم صفحہ 1009

2 کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 3، ص 134 مطبوعہ حیدر آباد

مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔1

مجلس شوریٰ کے جلسے:

معمولی اور روز مرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا مثلاً عراق وشام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہؓ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں

سے 5 شخص قبیلہ اوس اور 5 قبیلہ خزرج کے تھے۔ شریک ہوئے کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بے باکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی 2 اس کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم از عجکم الا لان تشر کوا فی امانتی فیما احملت من امورکم فانی واحد کاحدکم ولست ایر دان تتبو هذا الذی هوای

21ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سرو سامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خوف خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہؓ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمرؓ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بتصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

1ے تاریخ طبری ص 2574

2ے یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ 15,14 میں ہے۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی

نہیں۔ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:

لا خلافته الاعن مشورة 1ء

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہؓ اس میں شریک ہتے تھے۔صوبہ جات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمرؓ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے:

كان للمهاجرين مجلس فی المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويحدثهم عما ينتهي اليه من امر الافاق فقال يوما ما ادرى كيف اصنع بالمجوس

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔صوبہ جات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد، بصرہ سے حجاج بن علاط، شام سے معن بن یزیدؓ کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور

حضرت عمرؓ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحبؒ نے اس موقع کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں:

1ۂ کنز العمال بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد 3، صفحہ 139

کتب عمر بن الخطاب الی اهل الکوفة یبعثون الیه رجلا من اخیر هم واصلحهم الی اهل البصرة کذلک والی اهل الشام کذلک قال فبعث الیه اهل الکوفة عثمان بن فرقد و بعث الیه اهل الشام معن بن یزید و بعث الیه اهل البصرة الحجاج بن علاط کلهم سلمیون قال فاستعمل کل واحد منهم علی خراج ارضه1ۂ

سعد بن ابی وقاصؓ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جن لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کو صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔

حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کے لئے عام مجمع میں خطبہ پڑھا، فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوریت کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں:

1۔ کتاب الخراج ص 64

انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علی ایھا الناس خصال فخدولی بھالکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ ولکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقہ ولکم علی ان ازید فی اعطیاتکم واسد ثغورکم ولکم علی ان لا القیکم فی المھالک 1۔

’’مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں۔ جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے جمع نہ کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے خرچ نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں

اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں، ایک یہ کہ تم کو خطروں میں ڈالوں۔"

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتقوا اللہ یا عمر یعنی اے عمرؓ اللہ سے ڈر۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔[2] ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبلؓ نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی، وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے، یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔

1۔ کتاب الخراج ص60

2۔ کتاب الخراج ص27

مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو 100 برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹو

اختیارات اب تک ملے جلے ہیں یعنی کلکٹر ضلع مال گزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔

حضرت عمرؓ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے، تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے، الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم

عہدہ داران ملکی صوبہ جات اور اضلاع:

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے اس کی ابتداء کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اس کے حدود قائم کیئے۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو 8 صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمر کے مقرر کردہ صوبے:

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے 8 کے بجائے سات صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے 20ھ میں کیا تھا۔ مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جس کی تفصیل بتا دینی ضروری ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ 8 صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان اور کرمان وغیرہ آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع تھے اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اسی طرح رہنے دیئے۔ اس لئے مورخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کئے ان کا ذکر ضروری تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا اور اس میں دس اضلاع شامل تھے۔ 15ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے۔

ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا اور عقلمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزر کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔ 1 مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔

1 کبری میں صفحہ 2403,2407۔ اصل عبارت یہ ہے

فصارت فلسطين نصفين نصف مع اهل ايليا و نصف مع اهل الرملته وهم عشر كوو فلسطين تعدل الشام كلها و قرق فلسطين على رجلين فنزل كل واحد منهما فى عمله.

بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں 28 ضلعے شامل تھے، ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اس نشیبی حصہ جس میں 15 ضلعے شامل تھے، اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاصؓ بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے۔ اس لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے 1 کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان:

اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور، ہرات، مو، مرورود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذعیس، باورد، غرشتان، طوس، سرخس اور جرجان۔

آذربجائیجان:

اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔طبرستان، رے،قزوین، زنجان،قم، اصفہان، ہمدان،نہاوند، دینور،حلوان، ماسندان،مہرجان،قذق،شہرزور،صامغان اورآذربائیجان۔

فارس:

اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔اصطخر ،شیراز،نوبند خان، جورکازرون،فساء، دار الجبرو،اردشیرخرہ،سابورا، ہواز، جندیسابور،سوس،نہرتیری،مناذر،سسر،ایذج،رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر:

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔والی یعنی حاکم صوبہ،کاتب یعنی میرمنشی،کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میرمنشی،صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب احداث یعنی افسر پولیس،صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ،قاضی یعنی صدر الصدور و منصف،چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی،عثمان بن حنیف کلکٹر،عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ،شریح قاضی،عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتب دیوان تھے۔2

1 تاریخ یعقوبی ص 201 تا 202 جلد اول

2 طبری ص 2647 ابن خلکان ص 253

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے، ہر جگہ الگ نہ تھا اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔مثلاً عمار بن یاسرؓ جس وقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اسکے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔عمارؓ کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کرکے بھیجا تو دس معزز آدمی ان

کے اسٹاف میں دیئے جن میں ایک قرظ خزرجی بھی تھے۔[1]

میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاصؓ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آ جاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

صوبہ جات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل لائق راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ قرظ

امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن سمیۃ 1؎ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صحاب ادعا بھی تھے، اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر بنائیں۔ فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے۔ 2؎ عبداللہ بن ارقمؓ ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہؐ کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقمؓ نے عرض کی کہ ''میں'' یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔

نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔ عمار بن یاسرؓ بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرف داروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے۔ اسی قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق

ہوتو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پرزوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔

1 اسد الغابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ

1 استیعاب قاضی بن عبدالبر و طبری صفحہ 2617

تاہم اتنا بڑا کام ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہؓ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا۔ 1 حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپ کو مدد دیں گے لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ اے عمرؓ! تم رسول اللہؐ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں؟ ابوعبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔ 2

عہدہ داروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ

غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا، وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہو، اس کو انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ ان ہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقد، معن بن یزید، حجاج بن علاط، اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

تنخواہ کا معاملہ:

ایک وقت یہ تھا کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے۔ بعینہ اس طرح جس طرح آج کل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمیں ملتی ہیں، اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے۔ حق الخدمت لینے سے انکار کیا

1؎ کتاب الخراج ص 165 اصل عبارت یہ ہے: ان عمر بن الخطاب دعا صحاب رسول اللہ ﷺ فقال اذا لم تعینونی فمن بعیننی الخ

2؎ کتاب الخراج ص 64

تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ 1؎ حکیم بن حزام نے حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔ 2؎

عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض کی تفصیل:

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ 3؎ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا

تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے۔ چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا، عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے:

الا وانی لکم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکنن بعثتکم ایمته الهدی یهتدی بکم فادروا علی المسلمین حقوقهم ولا تصربوهم فتذلهم ولا تحمد وهم فتفتنوهم ولا تغلقوا الابواب دونهم فیا کل قویهم ضغیفهم ولا تستاثروا علیهم فتظلموهم.

''یاد رکھو میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے۔ بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں۔ ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو۔ کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔''

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ صحابہؓ کے ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہؓ کو گواہ مقرر کرتے تھے۔ 2

---

1 طبری ص 2577

2 کنز العمال جلد 3، ص 322

3 طبری 2747، اسد الغابہ (تذکرہ حذیفۃ بن الیمان) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عهده قد بعثت فلانا وامرته بکذا فلما قدم المداین استبله الدها قین فلما قرء

عهده الخ

4؎ کتاب الخراج ص 66 میں ہے: کان عمر اذا استعمل رجلا شهد عليه رهطا من الانصار

جس سے مقصد یہ تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا:

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا اٹا کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ 1؎ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال واسباب کی فہرست:

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا، اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا، اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ 2؎ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے سب کو موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔

اس میں ان عاملوں کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہیں:

ابلغ امیر المومنین رسالۃ

فانت امین اللہ فی المال والامر

فلا تدعن اہل الرساتیق والقری

یسیغون مال اللہ فی الادم الوفر

فارسل الی الحجاج فاعرف حسابہ
وارسل الی جزء وارسل الی البشر
ولا تنسین النافعین کلیھما
ولا ابن غلاب من سراۃ بن نصر
وما عاصم منھا بصفر عیابہ
وذاک الذی فی السوق مولی بنی بدر
ولسلا فسلہ المال وابن محرش
فقد کان فی اھل الرساتیق ذا ذکر
نوثب اذا ابوا ونغزو اذا غزروا
فانی لھم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارۃ
من المسک راحت فی مفارقم تجری

1؎ کتاب الخراج ص66

2؎ (فتوح البلدان ص219 میں ہے: کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عماله اذا هم ثم یقاسهم مازار علی ذالک.

زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی:

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں۔ حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہوکر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔ 1؎ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہوکر اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ ”صاحبو! عمال

جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ ؐ کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تا کہ میں اس کا انتقام لوں۔ عمرو بن العاص ؓ نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ؐ کو ایسا کرتے دیکھا ہے خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے، ان کے حقوق کو تلف نہ کرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔'' 2ے

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے، ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص ؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔

عمرو بن العاص ؓ نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفی لے کر اپنے حق سے باز آئے۔ 2ے

1ے تاریخ طبری ص 2680 میں ہے و کان من سنته عمرو سیرته ابن یاخذ عماله بموا فاة الحج فی کل سنته للسیاسته ولیحجرهم بذلک عن الرعیته ولیکون لشکاة الرعیته وقتا و غایته ینهولها فیه الیه.

2ے کتاب الخراج ص 66

3ے کتاب الخراج صفحہ 66

عاملوں کی تحقیقات

وقتاً فوقتاً عمال کو جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں، اس کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاریؓ مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہؐ کے ہم رکاب رہے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہؐ ایک مہم پر تشریف لے گئے تھے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا۔ جب کسی عامل کو شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔ [1] اور موقع پر جا کر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ 21ھ میں سعد بن ابی وقاصؓ جنہوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہاوند کے قریب آ پہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پر خطر وقت ہے، تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاصؓ کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن ابی وقاصؓ کو لے کر مدینہ میں آئے۔ یہاں حضرت عمرؓ نے خود ان کا اظہار لیا۔ [2]

کمیشن:

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداء عامل کو مدینہ میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلم بند کیا اور ابوموسیٰؓ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی۔

الزامات یہ تھے:

1؎ اسد الغابۃ تذکرۃ محمد بن مسلمۃ میں ہے وھو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمد ایکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم، طبری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

2؎ یہ پوری تفصیل تاریخ طبری 2606 تا 2608 میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے۔ دیکھو کتاب مذکور جلد اول ص 104 مطبوعہ میرٹھ۔

1۔ ابو موسیٰؓ نے اسیران جنگ میں سے 60 رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے تھے۔

2۔ ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی۔

3۔ کاروبار حکومت زیاد بن سمیۃ کو سپرد کر رکھا اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔

تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرا الزام کا ابو موسیٰؓ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے، اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا۔ اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان سے چھین لی گئی۔ 1؎

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا

نمود وفخر ثابت ہوتا تھا، سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے کاروبار میں بار نہیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔2

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی کہ ''عمرؓ کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض ابن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اس ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ۔''

عیاض کو انکار کی مجال تو نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھ کو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اور اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔3

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو روکا ہوگا، محمد بن مسلمہؓ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاصؓ چپکے دیکھا گئے۔

---

1 طبری صفحہ 270 تا 271

2 کتاب الخراج صفحہ 66

3 کتاب الخراج صفحہ 66

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت وذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہے گا لیکن جو سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل کی اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے، ورنہ امیر معاویہؓ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمرؓ ان کے خدم وحشم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسروانیہ یعنی یہ نوشیروانی جاہ وجلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راست بازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں۔ جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علیٰ قدر مراتب عموماً قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہیں پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھیں اور

غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔1

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے۔

1 استیعاب قاضی بن عبدالبر اور ازالتہ الخفاء، جلد دوم ص 71

نام	مقام ماموریت	عہد	کیفیت
ابوعبیدہؓ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیانؓ	شام	والی	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا
امیر معاویہؓ	شام	والی	سیاست وتدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاصؓ	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا۔
عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسیدؓ	مکہ مکرمہ	والی	آنحضرتؐ نے ان کو مکہ مکرمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارثؓ	مکہ مکرمہ	والی	فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاصؓ	مکہ مکرمہ	والی	ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	الی	آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھا۔

یعلی بن امیہؓ	یمن	الی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔ بڑے صاحب اثر تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
علاء بن الحضر ی	یمن	والی	بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان بن مقرنؓ	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیفؓ	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا۔
عمر بن سعدؓ	حمص	والی	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	والی	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے راز دار تھے۔
نافع بن عبد الحارثؓ			بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حرث و ہمانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندبؓ	سوق الاہواز		اکابر صحابہ میں ہیں
نعمان بن عدیؓ	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔

عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کمشنر مال گزاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی

صیغہ محاصل

خراج کا طریقہ حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا:

خراج کا نظم ونسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔اسلام سے پہلے اگر چہ عرب کے مختلف خاندان تاج وتخت کے مالک ہوئے۔جنہوں نے سلطنت کے کاروبار قائم کر دیئے تھے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔اسلام کے آغاز میں اس قدر رہا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں،اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔جناب رسول اللہؐ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے،ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوۃ تھی،حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی 16ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی۔اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امراء فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔حضرت عمرؓ نے عراق کے فتح کے ساتھ بن ابی وعاصؓ کو وہاں کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔سعدؓ نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔اسی وقت حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں

کے قبضے میں رہنے دی جائے اوران کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔1؎ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلالؓ نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ دق ہو کر فرمایا: ''اللھم اکفنی بلالاً'' یعنی اے اللہ مجھ کو بلالؓ سے نجات دے۔ حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن وامان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے، انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدماء مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس کے اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔2؎ حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا، تاہم کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

حضرت عمرؓ کا استدلال

حضرت عمرؓ کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے

نص قاطع تھی یعنی للفقراء الذین اخرجو من دیارھم واموالھم الخ

اس آیت کے آخیر فقرے **والذین جاؤا من بعدھم** 3؎ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال لیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے۔

1؎ طبری ص 2467 فتوح البلدان ص 266 کتاب الخراج ص 21

2؎ کتاب الخراج ص 14

3؎ 58 الحشر: 10

لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔ اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں، وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کو قرار پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست:

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا، یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیروان تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ [1] حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت تک رائج نہ تھے اس لئے فی الجملہ دقت درپیش آئی۔

افسران کا بندوبست:

آخر وہ شخص انتخاب کئے گئے، عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمانؓ۔ یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔

خصوصاً عثمان بن حنیفؓ کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا کہ انھوں نے تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی۔ جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔

---

1. کتاب الاوائل ذکر اول من غیر سنتہ ساسان و ذکر اول من وضع الخراج

عراق کا کل رقبہ:

کل رقبہ طول میں 375 میل اور عرض میں 240 میل یعنی کل 30000 میل مکسر ٹھہرا اور پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائیداد وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، دریا برآورد، ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (7000000) تھی، رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح:

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	2 درہم سال
جو	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	1 درہم سال
نیشکر	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	6 درہم سال

روئی	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	5 درہم سال
انگور	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	10 درہم سال
نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	10 درہم سال
تل	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	8 درہم سال
ترکاری	فی جریب یعنی پون بیگے پختہ	3 درہم سال

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گیہوں پر فی جریب 4 درہم اور جو پر 2 درہم مقرر ہوئے۔

عراق کا خراج:

افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو، دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج 8 کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے، اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی، اس سے زیادہ مالکان اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ نہیں بلکہ ابھی اسی قدر اور گنجائش ہے۔1

زمیندار اور تعلق دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی:

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرطیں نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور

دفعتہً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہوگئی۔

چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ [2]

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا۔

سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ [3]

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مالگزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

---

1 کتاب الخراج ص 21

1 تاریخ یعقوبی ص 174

2 کتاب الخراج ص 165 اصل عبارت یہ ہے:

ان عمر الخطاب کان یحی العراق کل سنته مایته الف الف اوفیه یحرج الیه عشرة من اهل الکوفته و عشره من اهل البصرة یشهدون اربع شهادات بالله انه من طیب مافیه ظلم مسلم ولا معاهد

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ

مابعد میں کبھی نہیں ہوا:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر اللہ لعنت کرے، کم بخت کو نہ دین کی لیاقت تھی، نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطابؓ نے عراق کی مال گزاری 10 کروڑ 28 لاکھ درہم وصول کی۔ زیاد نے 10 کروڑ 15 لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف 2 کروڑ 8 لاکھ وصول کئے۔ 1 مامون الرشید کا زمانہ عدل وانصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد 5 کروڑ 48 لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا:

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے، ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق وایران کا دفتر فارسی میں شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، ٹالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے۔

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مالگزاری

1۔ خراج نقد اور اصل دونوں طریقے سے وصول کی جائے۔

2۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

3۔ بندوبست چار سالہ ہو۔[2]

1 معجم البلدان ذکر سواد

2 پروفیسر Favan Bekluem نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مالگزاری پر لکھی ہے۔ یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں۔ آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے۔ اس کتاب کا پورا نام یہ ہے:

La Prol Rite Te Territorialetum pot Fongier Sons Les Pemires Carifes.

رومیوں کا اضافہ:

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلے کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی:

حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔ یورپ کے مورخوں نے لکھا کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے

وصول ہوتا تھا، کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ 1؎ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا، خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ 2؎ حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج رسد کی رسد کے لئے غلے کے کھیتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مال گزاری کا طریقہ:

حضرت عمرؓ نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج نہیں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا، اس لئے پیداوار کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے ان کا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگزاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔

1؎ فتوح البلدان ص 216

2؎ مقریزی جلد اول ص 79

اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی، اس میں سے اول گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی

مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا، جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گاؤں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی، پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔ 1

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج:

اس عدل وانصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ 20 لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی، خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابوحوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابوحازم کا جو قول نقل کیا ہے، وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال 20 کروڑ وصول کئے تھے، عمرو بن العاصؓ سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا، اس لئے عمرو بن العاصؓ کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے، اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی، زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔

---

1 مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے، دیکھو کتاب مذکور

ص 77 علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ ص 212 سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبدالملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری، تو 30 لاکھ سے 40 لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ 40 لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاصؓ نے آزادانہ کہا کہ "ہاں لیکن بچہ بھوکا رہا۔" 1 امیر معاویہؓ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد 90 لاکھ دینار تھی۔ 2 فاطمین کے عہد میں خلیفہ لدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کر دی۔ تاہم 32 لاکھ سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔ 3

شام:

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ 4 قرائن قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی کل تعداد ایک کروڑ 40 لاکھ دینار یعنی 5 کروڑ 80 لاکھ روپے تھی۔

1۔ دیکھو مقریزی صفحہ 90 جلد اول

2۔ معجم البلدان: ذکر مصر

3۔ ابن حوقل ذکر مصر

4۔ دیکھو پروفیسر برخیم فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر۔

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمیسیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے مورخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں، اس لئے ہم بھی اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

قانون مال گزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات:

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیر قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے

تھے اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس کے متمتع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بہانے سے زمیندار خود اس زمین میں متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے، ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیریں تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کر دیں اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع، بن یزید، ابن لیعہؒ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ [1]

1۔ مقریزی ص 295

ممانعت کر دی چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں، اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ [1]

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا، جس کی نظیر

دنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے، عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا، اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت اور عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے۔ جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا، اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

بندوبست مالگزاری میں ذمیوں سے رائے لینا۔

اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی، ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔

1؎ حسن المحاضرہ ص93

عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔1؎ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اوران کے مشورے لیے۔2؎

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔اس پر نہ تسلی ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اوراس کا اظہار لیا۔3؎ یہ طریقہ جس طرح عدل وانصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا،اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصطلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے۔جس کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت:

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں تھیں جو شخص ان کو آباد کرے،اس کی ملک ہو جائیں گی لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے تو تین برس کے اندر آباد نہ کر لے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔اس طریقے سے افتاد زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی،ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آ جائے اوراپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے آ کر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی،آپ کی فوج ادھر سے گزری اوراس کو برباد کر دیا۔حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔4؎

محکمہ آبپاشی:

تمام مالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھنے، تالاب تیار کرائے، پانی کے تقسیم کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔

1 دیکھو مقریزی جلد اول، ص 74,75

2 کتاب الخراج 65

3 مقریزی جلد اول، صفحہ 74,75

4 کتاب الخراج ص 68

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ 20 ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ شغوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزء بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور قسم کی یعنی خراجی اور عشری خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے:

1۔ عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

2۔ جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی۔ مثلاً وہ لاوارث مر

گیا یا مفرور ہو گیا یا بغاوت کی یا استعفیٰ دے دیا۔

3۔ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا، وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا۔ اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہؐ نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔[2]

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں۔ مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بناء پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی، اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔

1۔ مقریزی جلد اول، ص 76

2۔ کتاب الخراج صفحہ 25 تا 37

یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھیں اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا۔ اس کے

علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج وعشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ، عشور، جزیہ، مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ سبھی پر زکوٰۃ تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہؐ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ

حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہؐ کی مخالفت کی۔ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرمائے تھے، اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہرحال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور:

عشور، خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے، ان سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں۔ ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ منبج کے

عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے، خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی حربیوں سے فیصدی 10 ذمیوں سے 5 اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک مفتوحہ میں قاعدہ جاری کر کے اس کا ایک خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے۔ اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغہ عدالت

محکمہ قضا

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغے کا اجراء رعب وداب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ

مقرر کیا جائے۔1 بلکہ اسی بناء پر عبداللہ بن مسعودؓ کو فصل قضایا سے روک دیا۔

ٹیکس جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا او تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔ اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔

---

1 اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع۔

ہم اس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ 1 رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد 2 جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے جاتے ہیں اور جن کی نسبت سیسرو، روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر:

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے:

اما بعد فان القضاء فریضة محکمة وسنة متبعة سواء بین الناس فی وجھک و مجلسک وعدلک حتیٰ لا یایس الضعیف من عدالک ولا یطمع الشریف فی حیفک البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر والصلح جایز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا لا یمنعک قضاء قضیة بالامس فراجعت فیه نفسک ان ترجع الی الحق الفھم الفھم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی کتاب والسنته واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور عند ذلک واجعل لمن ادعی بینته امدا ینتھی الیه فان احضر بینة اخذت له بحقه والا

وجهت القضاء علیه والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلودا فی حد او مجرما فی شهادة زور او ظنینا فی ولاء او وراثة.

2۔ اس فرمان کو علامہ ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ و ابن عبدربہ اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔

3۔ 451ھ قبل مسیح رومن امپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آ کر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ کئے گئے اور مدت تک رومن امپائر کا وہی شاہی قانون رہا۔ اس میں صیغہ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ جب تم عدالت میں طلب کئے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

2۔ اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تا کہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

3۔ مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔

4۔ مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو ورنہ اس پر حاضری

کے لئے جبر نہیں کیا جا سکتا۔

5۔ مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔

6۔ دولت مند کا ضامن دولت مند ہونا چاہیے۔

7۔ جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

8۔ جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

9۔ فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

10۔ مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

11۔ فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو اس کو ضامن دینا چاہیے۔

12۔ جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر دعویٰ کو پکار کر کہے۔ یہ ہیں وہ قواعد جس کو یاد کر کے یورپ رومن امپائر پر ناز کرتا ہے۔

''اللہ کی تعریف کے بعد، قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنے مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور روادار کو تمہاری رورعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم، صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال، حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور

کرو۔ اوراس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو، اگر وہ ثبوت دے اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔''

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں:

1۔ قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔

2۔ بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

3۔ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

4۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے، اس میں صلح نہیں ہو سکتی ہے۔

5۔ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

6۔ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیے۔

7۔ تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ ایک طرفہ فیصلہ کیا جائے گا۔

8۔ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضا کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل وانصاف تین باتوں پر موقوف ہے:

1۔ عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

2۔ قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

3۔ وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رورعایت نہ کرنے پائے۔

4۔ آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا تا کہ مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضروت نہیں۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ 1؎

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالتہ الخفاء وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاویٰ مذکور ہیں۔

1؎ کنز العمال جلد 3 ص 174 مسند داری میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے

عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاء ک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنتہ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد تبلک فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجھد برایک ثم تقدم وان شئت تناخر فتاخر ولا اری الناخر الاخیر الک.

قضاۃ کا انتخاب:

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جو لوگ منتخب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابتؓ تھے۔ 1 جو رسول اللہؐ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سورالازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرینؒ نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ 2 فلسطین کے قاضی عبادہ بن صامتؓ تھے جو منجملہ ان پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہؓ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہؓ کی ماتحتی سے الگ کرلیا۔ 3

حضرت عمرؓ کے زمانہ کے حکام عدالت:

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعودؓ تھے جن کا فضل وکمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد 19ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر الجمعی، ابومریم الحنفی، سلمان بن ربیعۃ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعۃ، ابوقرۃ الکندی، عمران بن الحصین، جو حضرت عمرؓ کے زمانے کے قضاۃ ہیں، ان کی عظمت وجلالت شان، رجال کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا:

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اوران لوگوں کوقضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خودلوگوں کا انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خودامیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمرؓ اس پر اکتفانہیں کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعدلوگوں کا انتخاب کرتے تھے۔

1۔ اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیدا علی القضاء وفرض لہ رزقا

2۔ دیکھو اسد الغابہ فی احوال الصحابہ استعیاب قاضی بن عبدالبر تذکرہ کعب بن سورالازدی

3۔ استیعاب قاضی عبدالبر

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرائط پر ایک گھوڑا خریدا اورامتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہوگیا۔حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا،گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔اس پر نزاع ہوئی اورشریح ثالت مقرر کئے گئے۔انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کرسواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اوراسی وقت شریح کوکوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔1۔ کعب بن سورالازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل:

ناجائزوسائل آمدنی کے روکنے کے لئے بہت سی بندشیں کیں:

1۔تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔2۔اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

2۔ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت منداورمعزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ابو موسیٰ

اشعریؓ گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب وداب کا اثر نہ ہوگا۔3

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید وفروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات:

عدالت وانصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوان عدالت میں شاہ گدا، امیر وغریب، شریف ورذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعبؓ میں کچھ نزاع تھی۔ ابیؓ نے زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زیدؓ نے تعظیم دی۔

1 کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ

2 فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد 3، ص 247

3 اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

کر ابیؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا ابیؓ نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زیدؓ نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابیؓ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زیدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔"

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ، ظلم وناانصافی کے الزام سے

پاک رہے۔علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردو تھے (یہ بنوامیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا:

آبادی کے لحاظ قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں۔اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا۔

ماہر فن کی شہادت:

صیغہ قضا اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا، ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا، اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا، جس سے صاف طور پر ہجو ظاہر نہیں ہوتی تھی۔زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ درج کیا۔چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار کے لئے۔چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔آج کل مہذب ملکوں

نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ دادخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمر کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان:

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیر اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیئے کہ قانون سے واقف ہے یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عزر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہائت لائق قانون دان یعنی فقہا ہر

جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کرسکتا تھا ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہوسکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کرسکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا، زمانہ مابعد ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی:

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لئے نامزد کردیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کرسکے۔ حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابی بن کعب، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، ابودرداءؓ وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء صفحہ 130 میں لکھتے ہیں:

سابق وعظ و فتوے موقوف بود بررائے خلیفه بدون امر خلیفه وعظ نمی گفتند و فتوے نمی داوند و آخر بغیر توقف بررائے خلیفه وعظ می گفتند و فتویٰ می دادند. 1ے

تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی، انہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کردیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔ 2ے بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے۔ اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں بمقاب جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے:

من اراد القرآن فليات ابيا ومن اراد ان يسال القرايض فليات زيدا ومن اراد ان يسال عن الفقه فليات معاذا

''یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔''

---

1 کتاب مذکور ص 130

2 مسند واری و ازالۃ الخفاء صفحہ 130

☆☆☆

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے، مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ، قضاۃ کے فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہوگیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مقرر کیا۔

قدامہؓ کو تحصیل مال گزاری کی خدمت دی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائیں، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہوگیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں، جہاں بن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل عہدہ احتساب کا ماخذ ہے۔

جیل خانے کی ایجاد:

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے، ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام ونشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اول مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ [1] پھر اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ [2] اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے لیکن دور خلافت کے

بعد قاضی شریح مدیونوں کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض سزاؤں میں بھی تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرام میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

1۔ مقریزی جلد دوم، صفحہ 187

2۔ فتوح البلدان: صفحہ 463

جلاوطنی کی سزا:

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔ 1

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

تقریباً 15ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کی۔ دو سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟ حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔[2]

[1] اسد الغابہ ذکر ابو محجن ثقفی

[2] فتوح البلدان: از صفحہ 248 تا 461

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب و کتاب کے لئے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر:

عبداللہ بن ارقمؓ کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبدالرحمٰن بن عبید القاری اور معیقبؓ بھی تھے۔[1] معیقبؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہؐ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبہ جات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل

الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث اور کوفہ بن عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانہ کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں:

حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں۔ کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روز بہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کے حکم سے روز بہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ 2

---

1 کتب رجال میں معیقبؓ کا تذکرہ دیکھو۔

---

2 یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیرؓ حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابحہ کے 40 سپاہی خزانے کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ اور زبیرؓ کے ارادے کی مزاحمت کی۔

سیابحہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰؓ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔ 1

صوبہ جات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم

کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۔2

جو رقم دارالخلافہ کے خزانہ میں رہتی تھی

یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہوا کہ دارالخلافہ کے خزانے سے خاص دارالخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔

---

1 فتوح البلدان ص 373 تا 376

---

2 (عمرو بن العاصؓ نے گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیل و جمعتہ اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لا بدمنہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الی کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد 3، ص 163

سرکاری عمارات، نہریں، سڑکیں، پل، شفاخانے وغیرہ کے لئے حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوئی مستقل صیغہ قائم نہیں ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں

سب موجود تھیں اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہر ابی موسیٰؓ

یہ نہر 9 میل لمبی تھی جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے، اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شارستان ہے اور پانی 6 میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوا دی جائے۔ چنانچہ دجلہ سے 9 میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی۔[1]

نہر معقل

یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے: ''اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل'' یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسارؓ کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہوگئی۔

نہر سعدؓ

اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو

ان لوگوں نے سعد بن ابی وقاصؓ (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعدؓ نے سعد بن عمر کو مامور کیا۔

1۔ فتوح البلدان ص356,357 میں اس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جغرافیہ بشاری میں بھی اس کا ذکر ہے۔

انہوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک پہنچ کر ایک پہاڑ بیچ میں آ گیا اور وہیں چھوڑ دی گئی، پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ 18 ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاصؓ (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دارالخلافہ میں حاضر ہو۔ جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا، ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمروؓ نے واپس جا کر کام شروع کیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اس ذریعے سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر تقریباً 69 میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر

تیار ہوگئی۔ چنانچہ پہلے ہی سال 20 بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا، اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب المساح تک آکر بالکل بند ہوگئی۔ سنہ 105ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہوگئی اور مدتوں تک جاری رہی۔[1]

ایک عجیب و غریب بات ہے کہ عمرو بن العاص ؓ نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کے فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف 70 میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔[2] اگر عمرو بن العاص ؓ کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

1۔ یہ تفصیل حسن المحاضرہ سیوطی ص 93,94 و مقریزی جلد اول ص 71 وجلد دوم ص 139 تا 144 میں ہے۔

2۔ تقویم البلدان ابوالفدا ص 106

حضرت عمرؓ نے جو عمارتیں تیار کرائیں:

عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی ہیں:

1۔ مذہبی جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا، یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

2۔ فوجی، جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں ان کا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئے گا۔

3۔ ملکی مثلاً دارالامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دارالامارۃ

1۔ دارالامارۃ: یعنی صوبہ جات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

2۔ دیوان۔ یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

3۔ بیت المال: یعنی خزانے کا کان، یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

قیدخانے:

4۔ قیدخانے: مدینہ منورہ کے قیدخانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قیدخانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔ 1؎

مہمان خانے

5۔ مہمان خانے: یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آ جاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

امر عمران یتخذ لمن یرد من الافاق دارافکانوا ینزلونھا 1؎

مدینہ منورہ کا مہمان خانہ سنہ 17 ھ میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

1۔فتوح البلدان ص 347

2۔فتوح البلدان ص 278

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا سو ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضگی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپے کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ 1۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام:

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا، اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔ 2۔

مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں:

مکہ معظّمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ سنہ 17 ھ میں جب مکہ مکرمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر

ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔[3] شاہ ولی اللہ صاحب ازالتہ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

" اذاں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک مراجعت امر فرمود تادر منازلے کہ مابین حرمین واقع اندسایھا وبنا ھھا سازند و ہرچا ھیکہ ائپاشتہ شدہ باشدآں را پاک کنند و صاف نمائند و در منازل کم آب چاھھا راکنند تابر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود."

1۔ فتوح البلدان ص 347

2۔ کتاب الخراج ص 80 میں ہے۔ علی ان علیھم ارشاد انصال و بناء القناطر علی الانھار من اموالھم تاریخ طبری واقعات 16ھ میں ص 2470 میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے۔

3۔ طبری صفحہ 2529 و بلاذری ص 53

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر، تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بصرہ کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی، نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہو گا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمرؓ نے 14 ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ایلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعے ہندوستان و فارس وجود کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتا دیا تھا۔

بصرہ:

عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کفدست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہوا تاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی، زیادہ ممتاز تھا۔ سنہ 17 ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ[1] سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانہ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے۔ 80 ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ 20 ہزار تھی۔ کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی۔ دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی

گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

کوفہ:

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آسکتی۔ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان وحذیفہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے،کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پائے تخت یہی مقام تھا اوران کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں،منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔اہل عرب اس مقام کو خدا العذراء یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان،شقایق، قیصوم،خزامی کا چمن زار تھا۔غرض 17ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا 40 ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔

1۔ بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا قول جو نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین لباس ہے اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جس کے معنی فارسی میں ” بہت سے

راستوں'' کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں اس لئے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں ان کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو دراصل سہ در ہے۔

ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام 40,40 ہاتھ اور اس سے گھٹ کر 30,30 ہاتھ اور 20,20 ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں 7,7 ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی، اس قدر وسیع تھی کہ اس میں 40 ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھانس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دوسو ہاتھ لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا جو نوشیروانی عمارت سے نکال لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہوسکتا تھا تو خلیفہ وقت تھا لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل وانصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی ان کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دوسو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہوگئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انہوں نے سعدؓ کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ روز بہ نام ایک فارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا، نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعدؓ نے روز بہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار وار نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بجلتہ، تیم اللات، تغلب، بنو اسعد، نخع وکندۃ، ازد، مزینہ، تمیم و محارب، اسد و عامر، بجالتہ جدیلتہ واخلاط، جہینہ، مزحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ 264ھ میں مردم شماری ہوئی تو 50 ہزار گھر میں خاص قبیلہ ربیعہ ومضر کے اور 24 ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے 6 ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی ''تغیرات'' اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا، اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب بھی قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتداء یہیں ہوئی یعنی ابو الاسود دیلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابو حنیفہؒ نے قاضی ابو یوسفؒ وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث، فقہ اور علوم عربیت کے بڑے

بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی، حماد، امام ابوحنفیہ اور امام شعبی رحمہم اللہ یادگار زمانہ تھے۔1

فسطاط:

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کرلیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے۔ عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے، وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے۔ چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا، اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے، یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت میں کھڑا تھا، جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لئے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن فخرم، حیویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے، ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔

---

1 کوفہ بصرہ کے حالات طبری، بلاذری اور معجم البلدان سے لئے گئے ہیں۔

جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ 80 صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمع ہو کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادۃ، ابودرداء اور بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ یہ مسجد 50 گز لمبی اور 30 گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دار

الحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاصؓ نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی، اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن 21ھ ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی:

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں 40 ہزار اہل عرب کے نام دفتر میں قلم بند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں 36 مسجدیں، 8 ہزار سڑکیں، 1170 حمام تھے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پائے تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا، اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے:

ناسخ بغداد مفخر الاسلام خزانة المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعه ولا احسن تجملا من اھله ولا اکثر مراکب من ساحله

”یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔“

موصل:

یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے۔ ایک خاص جامع مسجد بھی

تعمیر کرائی۔1ے

1ے فتوح البلدان: صفحہ 331 تا 332

ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں، نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دراوزہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزرگاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاصؓ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لئے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں۔ تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جس میں حمیر اور ازدو ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاصؓ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاصؓ نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت کو دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ 21ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور 22ھ میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے۔

ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے۔'' چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے، ان میں سے بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔ 1''

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی تھیں جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منتظم اور اصول سیاست کے خلاف تھے۔

---

1 جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے۔

فوجی نظام رومن امپائر میں:

روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی۔ فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے۔ یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرون کہلاتے تھے۔ اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرون لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فارس میں فوجی نظام:

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا۔ فارسی میں جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فرانس میں فوجی نظام:

فرانس میں 511ھ تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا۔ چنانچہ اسلام کے بعد سنہ 751ھ تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظّم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر 10,10 روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن 15ھ ہی میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر منظّم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فوجی نظام:

حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر اعجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا خیر ہے، کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟

ابو ہریرہؓ نے کہا ہاں ۔ یہ کہہ کر پانچ دفع لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور اور رائے پوچھی کہ اس قدر زر کثیر کیوں کر صرف کیا جائے ۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے ۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا پیدا ہوا ۔ 1 ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے ۔ دبستان ، دبیر ، دفتر ، دیوان ایک مادہ سے الفاظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں ۔

تمام ملک کا فوج بنانا:

بہرحال 15ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا۔ اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا ، انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور پر سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا ۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے ۔ مخرمہ بن نوفل ، جبیر بن مطعم ، عقیل بن ابی طالب ، علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے ۔ 2

حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں ۔ جس میں ہر شخص کا نام ونسب مفصلاً درج ہو ۔ ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا ۔

---

1 مقریزی ص 92 اور فتوح البلدان ص 449

2 (جاحظ نے کتاب البیان والتبیین جلد دوم ص 37 مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص اشعار عرب اور انساب واخبار کے حافظ

تھے۔مخرمہ بن نوفل، ابوالجہم، حویطب بن عبدالعزی اور عقیل بن ابی طالب۔

جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت وحکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یوں نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے دور ہوتے گئے اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاؤ، یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلفائے اربعہؓ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرتؐ سے ملتا ہے۔ غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔1

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے	5ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد	4ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	3ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے	2ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	2ہزار درہم
اہل یمن	4سو درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	3سو درہم
بلا امتیاز مراتب	2سو درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ 200 سے 400 درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو،

دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا۔

1۔ تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج ص24 و مقریزی جلد اول ص92 بلاذری ص448 و یعقوبی ص175 وطبری ص2411 کے بیانات کو حتیٰ الامکان مطابق کر کے لکھا ہے۔

جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے تھے 1 اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

1۔ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

2۔ جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جا سکتے تھے ان کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والیسر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والیسر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں۔ سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی 21ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منتظم کیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

1۔اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اس کو فوجی صیغے سے چنداں تعلق نہیں بلکہ یہ رفاع عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے۔ اولاً تو جہاں مورخوں نے اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قد جنت الشام فرایت ملوکھا قد دونوا دیوانا و جندوا جندا فدون دیوانا و جند جندا فاخذ بقولہ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ فوج اور دفتر رکھتے تھے۔ آپ بھی دفتر بنایئے اور فوج مرتب کیجئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے۔ اسی بناء پر مکہ کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوح البلدان ص458 میں ہے: ان عمر کان لایعطی اھل مکۃ عطاء اولا یضرب علیم بعثا یہی وجہ تھی کہ جب صحرانشین بدوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرانشینوں کا روزینہ نہیں مقرر

ہوسکتا۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحب کمال تھے لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو ضرورت کے تحت اختیار کیا گیا تھا مٹتا گیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے۔

فوجی صدر مقامات:

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سنہ 20ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں، ملکی اور فوجی، ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا۔

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیئے جن کا نام جند[1] رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے: مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے، وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام کرنے ضرورت تھے۔ اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے، تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ اور کوفہ، یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے، حسب ذیل تھے:

فوجی بارکیں:

1 فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ اور فسطاط یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے ہی آباد کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرفجہ اورازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

1 جند کی تحقیق کے لئے دیکھو فتوح البلدان ص 132 مورخ یعقوبی نے واقعات 20 ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین جزیرہ، موصل اور قسرین کا نام لکھا ہے یہ صریح غلطی ہے۔

گھوڑوں کی پرداخت:

2 ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتہً ضرورت پیش آ جائے تو 32 ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے۔ 1 سنہ 17 ھ میں جزیرہ والوں نے دفعتہً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی۔ 2 اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے: حبیش فی سبیل اللہ 3 کوفہ

میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہوگئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانہ کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انھوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب نسل میں ماں کی پروانہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی اس کو دوغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے۔[4]

بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

---

[1] تاریخ طبری ص2504 میں ہے کان اربعة الاف فرس عدة لکون ان کان یشتیھا فن قبلة قصر الکوفة و بالبصرة نجو منھا و قیمه علیھا جزء بن معاویة فی کل مصر من الامصار الثمانیة علی قدرھا فان نابتھم نائبة رکب قوم و تقدموا الی ان یستعد الناس.

---

[2] حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ

میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر بحد کے ضلع میں واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری مقام ضریہ میں تھی جو مکہ مکرمہ سے سات منزل پر ہے۔اس کی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ اس میں قریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ ان چراگاہوں کی پوری تفصیل خلاصہ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر ص255,256میں ہے۔

3 کنز العمال جلد6،ص331

4 کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو۔

فوج کا دفتر:

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ:

رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔ 1

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا۔ اگر چہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا، اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی

تھی، جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی لیکن امن وامان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

17ھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی ولوک، بنج، رعیان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا نعور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم ونسق اور مناسب انتظامات کئے، جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے اس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا۔[2] بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق

---

[1] فتوح البلدان ص128 میں ہے: وکان المسلمون کلما فتحوا مدینة طاھرة او عند ساحل رتبوا فیھا قدر من یحتاج لھا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئی منھا حدث من قبل العدو سربوا الیا الامدار اور ص151 میں ہے: وولی ابو عبیدة کل کورة فتحھا عاملا وضم الیہ جماعة من المسلمین و شحن النواحی المخوفة

[2] تاریخ طبری ص1523 اصل عبارت یہ ہے: قسم عمر الارزاق و سمی الشواتی والصوایف و مد فروج الشام و مالحھا واخذید وربھا ومسمی ذلک فی کل کورة واستعمل

سے ہم سرحد تھا۔ وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے، آباد کئے۔ 1

19ھ میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ 2

حضرت عمرؓ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں۔ اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاصؓ کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی، باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاصؓ کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھی اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔ 3

16ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں، یہاں تک کہ عمرو بن العاصؓ کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لئے مخصوص کر دی۔ 4 عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے دس ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں۔ 5 تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں، از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔

1 فتوح البلدان ص 150 میں ہے ورتب ابو عبيدة ببالس

جماعة من المقاتلة امكنها قومها من العرب الذين كانوا بالشام بعد قدوم المسلمين الشام.

2؎ فتوح البلدان ص 128 میں ہے: ان معاویه کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخيه يزيد يصف له حال السواحل فكتب اليه فى مرحة حصونها و ترتيب المقاتلة فيهما واقامة الحرس على مناظر ها واتخاذ المواقيدلها

3؎ مقریزی جلد اول ص 167 میں ہے: وكان لكل عريف قصر ينزل قيه بمن معه من اصحابه واتخذاوا فيه اخايذ

3؎ دیکھو طبری ص 2594 و مقریزی ص 167

4؎ تاریخ طبری ص 2805 میں ہے: وكان بالكوفة اذ ذاك اربعون الف مقاتل وكان يغز واهذين الثغرين الى الرى واذريجان) هم عشرة الاف فى كل سنته وكان الرجل يصيبه فى كل اربع سنين غزوة

خربیہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ 1؎ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ نہر تیری، منادر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی سابور، مہر جانقدق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور 2؎ ہو گئے۔ رے اور آذر بائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم کی تھیں؟

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا۔ ادھر یونانی مدت سے اس فن میں مشتاق ہوتے آتے تھے۔ اس وجہ سے شام ومصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے، اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

فوجی دفتر کی وسعت:

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کئے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو قدر منظّم کر دیا کہ اس وقت کہ تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی، وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ مکرمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے، ایک ایک کی

مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔

1۔ فتوح البلدان ص 250

2۔ طبری ص 2650

بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں، وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ بصرہ، موصل، فسطاط، جیرہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے، سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بیشمار گروہ کی اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔

ہر سال 30 ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی:

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ 1۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے 40 ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذر بائیجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن درحقیقت حکومت بھی عربوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

فوج میں عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آ گیا۔ ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے ویلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد ہزار تھی اور جند شہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آ گئی۔ سعد بن ابی وقاصؓ گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ 2؎ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو ''سیاہ'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

1؎ کنز العمال جلد 6، ص 231 امام مالکؒ نے موطا میں 30 ہزار کے بجائے 40 ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔

2؎ فتوح البلدان ص 280

17ھ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے، اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب سنہ 20ھ میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰؓ کے مقابلے کو جائے۔ سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰؓ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کی (جن کے نام یہ تھے: سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ اور افرودین) اڑھائی اڑھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔ 1؎

باذان، نوشیرواں کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی اس میں

سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے، یزد گرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔ 2

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص ؓ نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا۔ چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ 3

غرض حضرت عمر ؓ نے صیغہ جنگ کو وسعت دی تھی، اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والیسر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے، جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا، صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

---

1 طبری واقعات سنہ 17ھ ذکر فتح سوس و فتوح البلدان از ص372 تا 375

2 فتوح البلدان ص375

3 مقریزی ص298 میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے

لکھے ہیں۔

کہ خرگوش ہر مرزا رابے شگفت

سگ آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ابتدائے نظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے،ان کے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا۔شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا۔حضرت عمرؓ نے اس کو صیغہ تعلیم سے متعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ الفاظ لکھ کر بھیجے: **لا تعط علی القرآن احدا.**

تنخواہوں میں ترقی:

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو زراعت،تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے،اس لئے ضرور تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو 200 سالانہ تھی بڑھا کر 300 کر دی۔افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی۔بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی۔اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام:

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا۔یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔[1] پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے

ساتھ فی کس 25 آثار غلہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لئے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی۔[1] جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

---

[1] فتوح البلدان ص 256، اصل عبارت یہ ہے: فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا خیو لا فی البرفا عارت علی امفل الفرات و کان عمر یبعث الیھم من المدینه الغنم ولجزار

رسد کا مستقل محکمہ:

رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہرا تھا۔[2] چنانچہ شام میں عمرو بن رتبہ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں۔ چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا۔ اس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا۔ تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من دس ثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس بارہ ثار روغن زیتون اور بارہ ثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔

خوراک اور کپڑا اور بھتہ

تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جن کی تفصیل وردی کے ذکر میں آئے گی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں معونتہ کہتے ہیں۔ سواری کا

گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی، اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دارالخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔3

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ:

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔4 تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا۔

---

1 فتوح البلدان: صفحہ 178, 216

2 تاریخ طبری ص 2526 اہرا کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان ص 208

3 کتاب الخراج ص 27، اصل عبارت یہ ہے: کان لعمر بن الخطاب اربعة الاف فرس فاذا کان فی عطاء الرجل خفة او کان محتاجا اعطاء الفرس

4 طبری ص 2486 اصل عبارت یہ ہے: وامرھم بمعادھم فی الربیع من کل سنة وباعطیاتھم فی المحرم من کل سنة وبفیئھم عند طلوع الشعری فی کل سنة وذلک عند ادراک الغلات۔

فوجی افسر جو کم سے کم دس دس سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہ ان کو دی جاتی تھی، وہ عریف کو حوالہ کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو

حوالہ کرتے تھے۔ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا۔عراق میں امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر ان کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت اور تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔1 عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی۔کنز العمال باب الجہاد میں بیہقی کی روایت ہے:اول من دون الدوا ین و عرف العرفاء عمر بن الخطاب

تنخواہ کی ترقی:

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔قادسیہ میں زہرہ، عصمہ، ضبی وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کئے تھے، اس لئے ان کی تنخواہیں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور اعلیٰ قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا، اس کی کچھ انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولاء میں نو نو ہزار نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم:

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

1۔جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کردی تھیں۔یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو

صرف صوایف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے سنہ 17 ھ میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں:

وسمی الثواتی والصوالف وسمی ذلک فی کل کورة

1۔ یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری ص 2495,2496 و مقریزی ص 93 میں ہیں۔

بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام:

2۔ فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں، جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبز مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول سنہ 17 ھ میں جاری کیا گیا جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا۔ چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ 1۔ عمرو بن العاصؓ گورنر مصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ:

3۔ بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں اصول صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن:

4۔فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب وروز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید کی تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔2ے

1ے تاریخ طبری میں ہے: و کتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبة بن غزوان ان یتربها بالناس فی کل حین ربیع فی ائیب ارضیهم کتاب مذکور ص2486

2ے عقد الفرید جلد اول ص49 میں یہ فرمان بعینہٖ منقول ہے۔

رخصت کے قاعدے:

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں، ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی سے بچنے کے لئے سخت بندشیں کی تھیں نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ میں کھانا نہ چھوڑیں (مطلب یہ کہ دھوپ میں کچھ دیر گزاریں، بالکل آرام طلب نہ ہوں)، حماموں میں تنہا نہ نہائیں۔

فوج کا لباس:

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا۔ کیونکہ سنہ 21ھ می جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے: اون کا جبہ، لمبی ٹوپی یا عمامہ، پاجامہ اور موزہ 1؎ حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی ومحاسب ومترجم

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا۔مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ قادسیہ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب اور ہلال ہجری مترجم 2؎ تھے۔فوج میں محکمہ عدالت، سر رشتہ حساب، مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فن جنگ میں ترقی:

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا۔اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔تاہم اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

1؎ فتوح البلدان ص 215

2؎ طبری واقعات سنہ 14ھ ص 2226

عرب میں جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے

تھے، پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکال کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ، میسرہ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی سب سے پہلے سنہ 15ھ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالدؓ کی بدولت بعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی۔1؎

یعنی کل فوج جس کی تعداد 40 ہزار کے قریب تھی 36 صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

فوج کے حصے:

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے، حسب ذیل ہیں:

قلب: سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔

مقدمہ: قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔

میمنہ: قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔

میسرہ: قلب کے بائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔

ساقہ: سب سے پیچھے۔

طلیعہ: گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔

رد: جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔

رائد: جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔

رکبان: شتر سوار

فرسان: سوار

راجل: پیادہ

رماۃ: تیر انداز

1. علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس وروم کے طریقہ جنگ ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بعبیہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا۔ لیکن یہ غلط ہے۔ طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالدؓ نے بعینہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، ڈورا، قینچی، سوتالی، توبرا اور چھلنی۔[1]

قلعہ شکن آلات:

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے 8ھ میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے۔ مثلاً 16ھ میں بہر سیر کے محاصرے میں 20 منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جس کو دبابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کو ریلے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے۔ اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بہر سیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر مینا:

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا یعنی جو کام آج کل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے، اس کا انتظام نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔عمرو بن العاصؓ نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدہر رخ کرے گی، سفر مینا کی خدمتوں کو مصری انجام دیں گے۔ 2 چنانچہ عمرو بن العاصؓ جب رومیوں کے مقابلے کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا، اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

1 فتوح البلدان ص318

1 مقریزی ص163 میں ہے: فخرج عمرو بالمسلمینو خرج معه جماعة من روساء القبط و قد اصلحوا لهم الطرق و اقاموا لهم الجسور والاسواق.

خبر رسانی اور جاسوسی:

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آ گئے تھے۔شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے، اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے، اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے، چلے جاتے تھے۔ یرموک، قادسیہ اور تکریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام

نکلے۔2ے

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں: فلما رای اھل الذمة وفاء المسلمین لھم و حسن السیرة فیھم صاروا اشداء علی عدو المسلمین و عونا للمسلمین علی اعدایھم فبعث اھل کل مدینة ممن جیری الصلح بینھم و بین المسلمین رجالا من قبلھم یتجسوان الاخبار عن الروم و عن ملکھم وما یریدون ان یصنعوا .2ے

خبر رسانی اور جاسوسی:

اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مبقوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔3ے اسی طرح جراجمتہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے۔

2ے تاریخ شام للا زدی ص154 وطبری ص2475, 2249۔

ازدی کی عبارت یہ ہے: لما نزلت الروم منزلھم الذی نزلوا بہ دسستا الیھم رجالا من اھل البلد کانوا نصاری و حسن اسلامھم، وامر ناھم ان یدخلوا عسکرھم ویکتموا اسلامھم

و یاتوا باخبارھم.

2 کتاب مذکور ص 80

3 فتوح البلدان ص 158

اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھی، جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا، تاہم فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا عام سبب تو یہ حضرت عمرؓ کی سطوت اور ان کا راب و داب تھا۔

پرچہ نویسیوں کا انتظام:

لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں:

و کانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلک الغزاۃ و بلغہ الذی قال عتبۃ 1۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں: و کان عمر لا یخفی علیہ شیئی فی عملہ. 2

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے۔ جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمرو معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرات نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہؓ اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں لیکن چونکہ زیادہ تر مذہبی تھی، اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ ''صیغہ مذہبی'' کے بیان میں آئے گا۔

---

1 طبری ص2526

2 طبری ص2208

صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھا اور درحقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ استغراق فی العبادۃ، صفائے قلب، قطع علائق، خضوع وخشوع۔ یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سررشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے۔ اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن وحدیث، احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ:

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید

کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ: لا اکراہ فی الدین 1؎

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے، تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتحہ ایران سعد بن ابی وقاصؓ کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے: وقد کنت امرتک ان تدعوا من لقیت الی الاسلام قبل القتال قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا۔ 2؎ یہ ظاہر ہے کہ فوج افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں، انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کیں۔

1؎ یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے دیکھو کنز العمال: جلد پنجم صفحہ 49 مطبوعہ حیدر آباد۔

2؎ کتاب الخراج ص 120

اشاعت اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنایا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے

کا شوق پیدا ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اسی طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کرتا جاتا تھا۔

شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابوعبیدہؓ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتہً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کے حالات سن کر ہی اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔[1]

اشاعت اسلام کے اسباب

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی۔ یہ واقعہ کہ چند صحرانشینوں کے آگے بڑی قدیم اور پرزور قوموں کا قدم اکھڑ جاتا تھا، خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے اللہ ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بیکار ہے۔[2]

---

[1] مقریزی ص 226 میں ہے: فخرج شطا فی الفین من اصحابه ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر ویمیل الی مایسمعه من سیرة اهل الاسلام

2۔ طبری واقعات جنگ فارس

ابورجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیراندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ''تکلے'' ہیں لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔1

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے، فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہوسکتا تھا، غیر قوم کی طرف نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ اس عہد کے نومسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام ''اورکون'' تھا، حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔2 ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے جو لوگ اسلام لائے:

16ھ کے اخیر میں جب جلولاء فتح ہوا تو بڑے بڑے روسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں: جمیل بن بصبیر، بسطام بن نرسے، رفیل اور فیروز۔ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو

شیوع ہوا۔3 قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی، کل کی کل مسلمان ہوگئی۔

---

1 مقریزی جلداول ص289

---

2 معجم البلدان ذکر قطرہ سلمان

---

3 فتوح البلدان ص265

---

4 فتوح البلدان ص280

یزدگرد کے مقدمتہ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آ جائیں گے، اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کرلیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔1 یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورۃ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابحہ زط، اندغار بھی مسلمان ہوگئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاصؓ نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بناء پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے تو حضرت عمرؓ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے ان کو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں

سے قصبہ بلیہب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔2؎ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقار اور ورادۃ سے لے کر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔3؎

شطا مصر کا ایک مشہور ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہو گیا۔4؎

فسطاط جس کو عمرو بن العاصؓ نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے، یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے۔ جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے، ایک محلّہ بنونبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلّہ بنوالارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندانی تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان چار سو بہادر شریک تھے۔

1؎ تاریخ مقریزی جلد اول، ص166

2؎ مقریزی ص184 میں ہے: ولما افتح المسلمون الفرس بعد ما افتتحو دمیاط و تینس مار وا الی بقارة فاسلم من بها وماروا منها الی الواردة فدحل اهلها فی الاسلام وما حولها الی عسقلان.

3؎ مقریزی جلد اول، ص226

تیسرا محلّہ ردبیل کے نام سے آباد ہے۔ یہ لوگ پہلے یرموک اور قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان

تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان سے شامل تھے۔[1]

فسطاط میں ایک اور محلّہ تھا جہاں صرف نومسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلّہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلّہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں بازان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم شام پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔[2]

مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے وہ وہیں کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مورخ طبری نے سنہ ۱۴ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔[3]

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہؒ نے نہایت صحیح لکھا ہے کہ امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظمؓ در گردن اوست۔

۱؎ اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی جلد اول ص ۲۹۸ میں ہے۔

۲؎ بلاذری ص ۱۵۰

۳؎ طبری ص ۲۲۶۱

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام اصل الاصول ہے قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا' ترتیب دینا' صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا' تمام ممالک میں اس کی تعلیم کو رواج دینا جو کچھ ہوا' حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزاء متعدد صحابہؓ کے پاس تھے۔ وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کی تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی صورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے۔ جن میں سے بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت بوبکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لیے ابھی اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا میں کیونکر کروں۔

حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت ار ضروریات بیان کیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہؓ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں خی اور شہادت لی جاتی تھی کہ

ہم نے اس کو آنحرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں قلم بند دیکھا تھا۔غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہوگئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن پاک ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔

سعید بن العاصؓ بتاتے جاتے تھے اور زید بن ابتؓ لکھتے جاتے تھے۔نگران لوگوں کو حکم تھا ک کسی لفظ کے تلفظ وہجہ میں اختالف پیدا ہوا تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اترا ہے[1]۔

---

[1] کنزالعمال جلداول صفحہ ۲۷۹ اور اتقان

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ واعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے۔اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی یجائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنا دیے جائیں تاکہ تحریف وتغیر کا احتمال نہ رہے دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہوکر ملک میں کثرت سے شائع ہوجائیں۔حضرت عمرؓ نے ان تینوں اموروکو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم وقاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں[1]تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا ام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔[۲]

کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیے گئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے ابوعامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ آیا یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔[۳]

---

[۱] سیرۃ العمر لا بن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب وعثمان بن العفان کان یرزقان المؤذنین والائمہ والمعلمین

[۲] اغانی جز (۱۶) صفحہ ۱۵۸ اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

[۳] معجم البلدان لغت حاضر معجم میں اس روایت کو حضرت ابوبکرؓ کے

عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے۔

قراء صحابہؓ کا تعلیم قرآن کے لیے دور دراز مقامات پر بھیجنا

صحابہؓ میں سے پانچ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبلؓ عبادہ بن صامتؓ، ابی بن کعبؓ، ابوایوبؓ اور ابو الدرداءؓ ان میں خاص کر ابی بن کعبؓ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجے۔

ابوایوبؓ ضعیف اور ابی بن کعبؓ بیمار تھے۔ اس لیے نہ جا سکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کر لیا حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دن قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو آدمیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائے۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہؓ نے وہیں قیام کیا اور ابودرداءؓ دمشق اور معاذ بن جبلؓ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبلؓ نے طاعون عمواس میں وفات پائی لیکن ابودرداءؓ حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے

تعلیم قرآن کا طریقہ

ابودرداءؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اردگرد پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا ابودرداءؓ دس دس آدمیوں کو الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری مقرر کر دیتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب

علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو درداءؓ خود اس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

دمشق کی مسجد میں قرآن کے طلبہ کی تعداد

ایک دن ابو درداءؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

۱؎ یہ تمام تفصیل کنز العمال میں جلد اول میں ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔

اشاعت قرآن کے اور وسائل

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن سیکھیں کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔[۱] عمال کو لکھ کر بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں[۲] (بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔

حافظوں کی تعداد

ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جا بجا بھیجوں تو سعد بن ابی وقاصؓ نے جواب میں لکھا کہ میری فوج میں صرف تین سو حافظ موجود ہیں۔[۳]

صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا امر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا اور در حقیقت یہ سب سے مقدم تھا قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا حضرت عمرؓ نے اس کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ اور صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلمو القرآن۔

۱؎ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۴

۲؎ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷

۳؎ کنزل العمال جلد اول ص ۲۱۷

ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تا کہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ چڑھانے پائے۱؎۔ قرآن مجید کے بعد احادیث کا درجہ ہے حضرت عمرؓ نے اگر چہ حدیث ک ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ بجز مخصوص صحابہ کرامؓ کے عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث ک یا جازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

چنانکه فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامت و ابودرداء ربشا و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ ز حدیث ایشاں تجاوز نکنند ؎ ۲

حقیقت یہ ہے کہ عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کیے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت کارنامہ ہے۔لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ان کے ذاتی حالات میں ان کے فضل وکمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق بہت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقیہہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے۔اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں یہ نشرو اشاعت ممکن نہیں۔مسائل فقیہہ کی روج کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئیں حسب ذیل ہیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت

☆ جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں مشہور خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کیے ۳۔اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور ار پر اثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات وار اصول اور ارکان بیان کیے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا کا مجمع ہوتا تھا اس لیے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔

۱؎ کنز العمال جلد اول ص ۲۲۸

۲؎ ازالتہ الخفاء جز دوم ص ۶

۳؎ موطا امام محمد صفحہ ۲۲۷

دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہا نے اس کو بہت سے مسائل فقیہہ کے حوالے سے جا بجا نقل کیا۔

☆ وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل کھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کے متعلق جس کی تعیین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں ں۔ تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ چنانچہ امام مالکؒ اپنی کتاب موطا میں بعینہ س کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تحریری بھیجی اس کو بھی امام مالکؒ نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ نا جائز ہے۔۱؎

۱۴ھ میں نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع میں افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ

شاہ ولی اللہؒ نے امام مالکؒ کے حوال سے نقل کیا ہے یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم هذا كتاب الصدقه الخ

قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ میں بھی عمال کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک دفعہ لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ نہیں ہونا چاہیے۔ روزہ کے متعلق تمام اعمال کو تحریری حکم بھیجا کہ

لاتکونو من المسفرین لفطر کم

زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ

ان المراۃ لا تصوم تطوعا الا باذن زوجھا

ابووائل کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ

ان الاھلۃ بعضھا اکبر من بعض

اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقیہہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے۔اس لیے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رکھی جاسکتی ہے۔ کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۱۲۹

چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہؓ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہؓ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا۔مثلاً چوری کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ

ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ [1]

غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔لوگوں نے مختلف رائیں دیں اس وقت فرمایا:

انتم اصحاب بدر و قد اختلفتم فمن بعد کم اشد اختلافا

یعنی اب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف رائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہراتؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور ان کی رائے قطعی قرار پا کر شائع کی گئی[2]۔

جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور ایک منقح بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے

انی اشھد کم علی امراء الامصار انی لم ابعثھم الا لیفقھوا الناس فی دینھم

یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں[۳]۔ یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں

ان عمر بن الخطاب کان اذا اجتمع الی جیش من اھل الایمان بعث علیھم رجلا من اھل الفقہ و العلم

یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابوعبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، ابوموسی اشعریؓ، معاز بن جبل وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث وفقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

(۴) تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

---

[۱] کتاب مذکور ص ۱۰۶

---

[۲] ازالۃ الخفا ص ۸۸

۳ کتاب الخراج ص ۶۷

تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفلؓ کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ ان دس بزرگوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۱۔ عمران بن الحصینؓ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے' ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

وکان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الی هل البصرة لیفقههم

یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دیے کے لیے بھیجا تھا۔ عبدالرحمٰن بن غنمؓ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام کے تمام تابعین کو فقہ سکھائی۔ عبادۃ بن صامتؓ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذ بن جبلؓ اور ابودرداءؓ کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھلائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاصرہ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں حبان بن ابی جبلۃ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔

ان فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین علم نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہؓ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے لیکن جب ان کو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔۲ لیث ابن سعد کا بیان ہے کہ ابودرداءؓ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۳۔

۱؎ اصل عبارت یہ ہے: احدالعشرۃ الذین بعثھم عمرالی البصرۃ یفقھون الناس

۲؎ تذکرہ الحفاظ ذکر معاذ بن جبلؓ

۳؎ تذکرۃ الحفاظ ذکر ابو درداءؓ

فقہا کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہوسکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے منتخب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبلؓ، ابودرداءؓ، عبادہ بن صامتؓ عبدالرحمٰن بن غنمؓ، عمران بن حصینؓ، عبداللہ بن مغفلؓ تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لیے اسدالغابہ اور اصابتہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیے جاتے تھے جن میں صحابہؓ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہؓ میں پیش ہو کر طے کر لیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہؒ نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث کے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معهذا بعد عزم خیلفه بر چیزے مجال مخالفت نبود. درجمیع ایں امور شد روندر نمی رفتند و بدون اسطلاع رائے خلیفه کارے مصمم نمی ساختند. هذا دریں عصر اختلاف مذاهب و تشتت آرا واقع تشد. همه بریک مذهب متفق و بریک راه مجعمع. چوں ایام خلافت خاصه بالکلیه منقرض شده خلافت عامه ظهور نمود علماء در هر بلدے مشغول بافاده شدند. ابن عباس در مکه فتویٰ می دهد و عائشه صدیقه و عبدالله بن عمر در مدینه حدیث را روایت می نمایند و ابوهریرة اوقات خود رابر اکثار روایت حدیث مصروف می سازد بالجمله دیں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یکے رابر رائے دیگر اطلاع نه واگر. اطلاع شده مذاکره واقع نه واگر مذاکره بمیان آمد ازاحت شبهه و خروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نه. اگر تتبع کنی روایت علمائے صحابه که پیش از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نه. اگر تتبع کنی روایت علمائے صحابه که پیش از انقراض خلافت خاصه از عالم گزشته اند بغایت کم یابی و جمعے که بعد ایام خلافت مانده اند هرچه روایت کرده ان بعده خلافت خاصه روایت کرده اند. هر چند جمیع صحابه عدول اند روایت ایشاں مقبول و عمل بموجب آنچه بروایت صدوق ازیشاں ثابت شود لازم. اما درمیان آنچه از حدیث و فقه در زمن فاروق اعظم بود و آنچه بعد وے حادث شده فرق مابین السموات والارض ست ہ ا

عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیے۔

اماموں اور موذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام موذن مقرر کیے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں

ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان الموذنین و الائمة

موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے[2]۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں عقبہ کے پاس پہنچا آئیں۔[3] یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اس طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسب حج میں محسوب نہ تھا۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل ۱۰ حج کیے۔ اس لیے امیر حج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

---

[1] ازالتہ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۴۰

[2] موطا امام محمد ص ۶۸

[3] ایضاً ص ۲۲۹

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں سعد بن ابی وقاصؓ اور عمرو بن العاصؓ کو بھی اس قسم کے احکام بھیجے' شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے[1] چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں۔ گو

ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی ہے ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واعقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی۔ اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی۔ اس لیے سنہ ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اس کی حد عام مکانات کسے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے[1] کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے[2]۔ اور مصر میں بنایا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ سے ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے چروں طرف پتھر کھڑے کر دیے گئے تھے جو صاحب حرم کہلاتے تھے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہؓ میں سے جو لوگ حدود حرم کے بارے واقف کار تھے۔ یعنی مخرمتہ بن نوفلؓ، ازہر بن عبد عوفؓ، جویطب بن عبد العزیٰؓ، سعید بن یربوعؓ کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ نصب کیے گئے۔

---

[1] تاریخ مقریزی جلد دوم ص ۲۴۶

---

[2] الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۵۴ فتوح البلدان ص ۴۶

۳۳ فتوح البلدان ص ۴۷

مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لیے کافی تھی لیکن مدینہ منورہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لیے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعبؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجز خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ بلا قیمت عامتہ المسلمین کے لیے دے دیتا ہوں غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اب بھی لکڑی کے رہے حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس نے بات چیت کرنی یا شعر پڑھنا ہو تو اس کے لیے یہ جگہ ہے[1]۔

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہ تھا۔ اس کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی یعنی ان کی اجازت سے تمیم داریؓ نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا بھی انتظام کیا۔ جس کی ابتدا یوں ہوء کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل

آیا حضرت عمرؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں ک کام آئے۔ چنانچہ موذن کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اوران کے کپڑے بساتا تھا۔[۲] فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ نے ہی کیا لیکن یہ کوئی پرتکلف قالین اور شطرنجی فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گردوخاک میں آلودنہ ہوں۔

[۱] خلاصۃ الوفا بخبار دارالمصطفی مطبوعہ مصر ص ۱۳۲، ۱۳۳

[۲] خلاصۃ الوفا ص ۱۷۴

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لیے جدا جدا عنوان قائم نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیبی اوران کی ضروریات سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یادرکھنے کے لیے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قائم ہوا یعن جس سال ابرہہ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اوراسا کے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۱۶ ہجری میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی۔ جس پر صرف شعبان کا لفظ لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد

ہے یا موجودہ۔اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی ۔تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے ۔چنانچہ ہرمزان جوخوزستان کا بادشاہ تھااوراسلالاکرمدینہ منورہ میں مقیم تھا۔طلب کیا گیا ۔اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جوحساب اس کو ماہ روز کہتے ہیں اوراس میں مہینہ اورتاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔اس کے بعد یہ بحث ہوئی کی سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے ۔حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اوراسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھےلیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہےاس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کرشروع سال سے سنہ قائم کیا[1]۔

عرب میں اگر چہ قدیم سے لکھنے پڑھنے اور کافی الجملہ رواج تھا۔چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیاتو صرف ایک قریش کےقبیلہ میں ۱۷شخص پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔لیکن حساب کتاب سےعموماً لوگ بے بہرہ تھے۔یہاں تک کہ جب سنہ۱۴ھ میں ابلہ فتح ہواتو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جس کوحساب کتاب آتا ہواور مال غنیمت کوقاعدے سے تقسیم کرسکتا ہو۔مجبوراًلوگوں نے ایک ۱۴سالہ لڑکےیعنی زید بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیااور صلے میں اس کی تنخواہ دودرہم یومیہ مقرر کی[2]۔یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہرقسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

---

[1] مقریزی جلداول، ص۲۸۴

[2] طبری ص۲۳۸۸

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پر پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جواہل عطا کہلاتے تھےاورجن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اورمختلف گروہوں کومختلف حیثیتوں

سے تنخواہ ملتی تھی۔ مثلاً بہادری کے لحاظ سے شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی، یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا اور ان میں مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی۔ اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لیے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعمؓ کو بصرہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ میں عبداللہ بن خلفؓ کو۔

دفتر خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہوسکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا۔ زکوۃ و صدقہ میں جو مویشی آتے تھے۔ بیت المال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے۔ جانوروں کا رنگ حلیہ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔[1]

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کی پہلے معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تھے۔[2] جلولاء کی فتح میں جو سنہ ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیانؓ حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔[3]

---

[1] طبری ص ۲۷،۳۶ [2] اصابہ فی احوال الصابہ تذکرہ خالد بن ولید [3] طبری ص ۶۵، ۲۴

مردم شماری کے کاغذات

زکوۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتے تھے[1]

کاغذات کے حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا

سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہیں چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں:

جب امیر المومنین حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام اور عراق فتح کیا انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں دیا بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال

رے دیے۔سنہ ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔

۱؎ مقریزی جلد اول ص ۲۶۵

حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسارؓ کو بھیجا جنہوں ل ے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے:

اذاجاء نهر الله بطل نهر معقل

حضرت عمرؓ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیے۔ اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کیے اور جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر الحمد اللہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ اللہ وحدہ لکھا ہوتا تھا حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مشقال کے برابر ہوتا تھا۔۱؎

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا کہ ایران کے تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ دانگ کا، طبری چار دانگ کا، مغربی تین دانگ ک۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں کو ملا کر اس کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔۲؎

ذمی[۳] رعایا کے حقوق

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم اور فارس تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

---

[۱] دیکھو کتاب المقو الاسلامیہ للمقریزی مطبوعہ مطبع جوائب سنہ ۱۲۹۸ھ صفحہ ۴، ۵

[۲] الاحکام السطانیہ للماوردی صفحہ ۱۴۷

[۳] ذمی سے مراد وہ قومیں ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتہً وہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیے گئے

اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے گی بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا وہ برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم ان کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے بایں ہمہ دعویٰ تہذیب' اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کہیں دیے ہیں؟

بیت المقدس کا معاہدہ

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل مل کا باعث تھا۔ اس لیے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا ہے حسب ذیل ہے:

هـذا ما اعطى عبدالله عمر امير المومنين اهل ايليا من الامان اعطاهم امانا لا نـفسهـم واموالهم ولكنا يسهم و صلبانهم و سقيمها و بريها و ساير ملتها انه لا يسكن كنايسهم وال تهدم وال ينتقض منها ولا من خيرها ولا من صلبهم ولا مـن شـئـى مـن امـوالهـم ولا يـكـرهون على دينهم وا يضار احد مهم ولا يسكن بـايـلياء معهم احد من اليهود و على اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل الـمـدايـن و عليهم ان يخرجو ا منها الروم واللصوت ممن خرج منهم فهو امن عـلى انفسه وماله حتى يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهوا من وعليه مثل اهل ايبا ء مـن الـجـزية ومـن احـب مـن اه ايـلياء ان يسر بنفسه وماله مع الروم و يخلى ببـعـهـم و صـلـبهـم فـانهم امنون على انفسهم وعلى ببعهم و صلبهم حتى يبلغوا مـامهـم وعـلـى ما فى هذا الكتاب عهد الله و ذمة رسول وه ذمة الخلفاء و ذمة الـمـومنين اذااعطوا الذى عليهم من الجزية شهد على ذلک خالد بن الوليد و عـمـرو بـن الـعـاص و عبـدالرحمن بن عوف و معاوية بن ابى سفيان و كتب و

ا؎ دیکھو تاریخ ابو جعفر محمد بن جریر طبری فتح بیت المقدس

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان و مال گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کی تمام مذہب والوں کے لیے ہے اس طرح پر کہ اکے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا' نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا ایلای میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ پہنچ جائے۔ اور جو ایلیا ہی می رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا۔ اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا رسول اللہ کا خلفاء کا مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویۃ بن ابی سفیانؓ اور سنہ ۱۵ ھ میں لکھا گیا''۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے مال جان اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق

رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ وہ نہ توڑے جائیں گے اور نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لیے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ سلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی دشمن تھے۔ تاہم ان کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نکل جانا چاہیں تو نکل کر جاسکتے ہیں دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہوگا اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جاملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر منصفانہ برتاؤ کرسکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جاو مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا گیا ہے کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا ہے تو حضرت عمرؓ فوراً اس کے بدلے میں اس مسلمان کو قتل کرادیتے تھے امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کردیا جائے۔ چانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا' حوالے کیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔[1] اور جائیداد کے متعلق ان کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟ کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں' اسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں' جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

بندوبست مال گزاری میں ذمیوں کا خیال

مال گزاری جو شخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ان پر کوئی سختی تو نہیں کی گ ءچنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس شخص کوفہ اور دس شخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔[2] وفات کے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہ کہ اسران کو بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔[3]

---

[1] الدرایہ فی تخریج الہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۶۰

[2] کتاب الخراج صفحہ ۶۵

[3] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے قال شھدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث اور باربع واقفا علی حذیفۃ بن الیمان وعثمان بن حنیف وھو یقول لھما لعلکما حملتما الارض مالا تطیق۔

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ ملکی انتظامات میں ان کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا ہے، ذمیوں کے مشورہ اور استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مال گزاری کے حالات دریافت کیے۔ مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔[1]

جان و مال و جائیداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ

نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کی پابندی کی جاتی تھی۔شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا۔حضرت عمرؓ نے بیت المال سے دس ہزار درہم اس کو معاوضہ میں دلوائے۔[1] خود بالمشافہ لوگوں کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے۔قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں نے دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور سر پر تیل ڈال رہے ہیں۔لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا ہے۔اس لیے ان کو سزا دی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ناداری فرمایا کہ چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ:

لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یو م القیامۃ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو۔جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو عذاب پہنچائے گا۔

ذمیوں کے شرائط کا ایفا

حضرت ابو عبیدہؓ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم واکل اموالھم الا بحلھا وو ف لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم۔[3]

"مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں نہ ان کی مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کیں ہیں سب وفا کرو"۔

---

[1] مقریزی جلد اول، ص ۱۴۴

[2] کتاب الخراج ص ۶۸

۳؎ کتاب الخراج صفحہ ۸۲

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔اس وصیت نامہ کو امام بخاری ابوبکر بیہقی' جاحظ اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے۔اس کا اخیر فقرہ یہ ہے:

واوصیه باذمة الله و ذمة رسوله ان یو فی لهم یعهدهم وان یقاتل من ورایهم وان لا یکلفوا فوق طاقتهم ؎ ا

''یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے گا اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے''۔

اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہؓ ایک صحابی تھے۔ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔غرفہؓ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔عیسائی نے عمرو بن العاصؓ کے پاس جا کر شکایت کی۔انہوں نے غرفہؓ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔غرفہؓ نے اس واقعہ کو بیان کیا۔عمرو بن العاصؓ نے کہا ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے۔غرفہؓ نے کہا نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں می جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔عمرو بن العاصؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے ؎۲ اس واقع سے معلوم ہوسکتا ہیکہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ اعلانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے پیشوایان مذہبی جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹر یارک بنیامین تیرہ برس کا رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۲۰ھ میں اس کو تحریری امان لکھ بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹر یارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔

---

۱ صحیح بخاری ص ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ۔

---

۲ اسدالغابہ تذکرہ غرفہ۔

چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۴۹۲ میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے:

لا یغیرون عن ملة ولا یحال بینهم وبین شرایعهم ۱

"ان کا مذہب نہ بدلا جائے اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے"۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا:

لهم الامان علی انفسهم و امواهم و مللهم و شرایعهم ولا یغیر بشئی من ذلک ۲

"ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا"

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی:

الامان علی انفسھم و اموالھم و مللھم و شرائعھم ۳

''جان'مال مذہب اورشریعت کو امان ہے''۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے

الامان علی اموالھم و انفسھم وملتھم و شرایعتھم

''جان'مال'مذہب اورشریعت کو امان ہے''۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے ورمنصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا۔ ورنہ یہ خیاوہ ہمیشہ ظاہر کردیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اشق ان کا ایک عیسائی غلام تھا' اس کو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ ۴

۱ طبری صفحہ ۲۶۲۳

۲ طبری صفحہ ۲۶۵۸

۳ طبری ص ۲۲۲۶

۴ کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد پنجم ص ۴۹

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملک حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کردیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلام کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قس کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی اس

کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا تھا البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی۔ بیت المال سے والیسروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ) یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہوجاتا تھا اور محنت مزدوری سے معاش نہیں پیدا کرسکتا تھا' بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا' اسی قس کی بلکہ اس لیس زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھ مرعی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے حیرۃ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:

وجعلت لهم ايماشيخ ضعف ان العمل او اصابه افة من الافات او كان غنيا فافتقرو صار اهل ديه يتصدقون عليه طرحت جزية و عيل من بيت مال المسلمين و عياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام فان خرجوا الى غير دارالحجرة و دار الاسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم ۔ ا

''اور میں نے یہ حق ان کو دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہوجائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگا تو اس کا جزیہ موقوف کردیا جائے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا۔ جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا''۔

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کردیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت

انما الصدقات للفقراء والمساكين

(صدقہ اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں"۔

حضرت عمرؓ اس کو ساتھ لے کر گھر پر آئے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔[1]

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استحقاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا۔ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔عمیر بن سعدؓ جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ الفاظ نکل گئے اخزاک اللہ یعنی اللہ تجھ کو رسوا کرے۔ اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی[2]۔

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا گیا۔آج کل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعویٰ ہے رعایا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولیٹکل شبہ پیدا نہ ہوا ہو ورنہ دفعتہً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر غیظ

انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت میں جادہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی دوسری سرحد ایشائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔

۱؎ کتاب الخراج ص ۷۲

۲؎ دیکھو ازالۃ الخلفاء ص ۲۰۳

شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں ان کو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعدؓ وہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ عمیر بن سعدؓ کو لکھ بھیجا کہ جدقدر ان کی جائیداد زمین مویشی اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دو اور ان سے کہو کہ اور کہیں چلے جائیں۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دو اور اس کے بعد جلاوطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔۱؎

کیا آج کل کوئی قوم اس قدر درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھیں اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے۔ لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے اور اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تیار کرواتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آ کر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلماوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ

آئیں گے۔عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ اللہ کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو"۔

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہوسکتا ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کرسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں لمبی ٹوپیاں پہنیں اور گھوڑوں پر کاٹھی کسیں، عبادت گاہیں نہ بنائیں شراب اور سور نہ بیچیں ناقوس نہ بجائیں، صلیب نہ نکالیں، بنوتغلب کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلا وطن کر دیے۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۵۷

بلاشبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم ان کے جواب دیتے ہیں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصب سے اور تقلید نے ان واقعات کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے۔لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی آیا وہی زمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تجویز کیا تھا۔جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے۔وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ

جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

حضرت عمرؓ کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے اگر چہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم وبیش کر دیا ہے، تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں وان تلزم زینا حث ما کنا[1] یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے۔ اس کی نسبت ہمارے فقہا نے اکثر غلطیاں کی ہیں ان کا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قس کا جینو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ زنار کے معنی پیٹی بند کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مرادف الفاظ ہیں، ان دونوں الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کنز العمال میں[2] بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلزمواھم المناطق یعنی الزنانیر اسی زنار کو سج بھی کہتے تھے۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے تیجیج ہی لکھا ہے ور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہرحال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التبنیہ والاشراف[3] میں لکھا ہے کہ:

---

[1] کنز العمال جلد دوم ص ۳۰۲

---

[2] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰

---

[3] کتاب السبیہ والاشراف ص ۱۰۷

عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ سے میں نے کتاب مروج الذہب میں لکھی ہے۔ ایک قطعی دلیل یہ کہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار

دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جن کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے۔ اس درباری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لبس حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے لیے قرار دیا تھا وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور ان کی تحقیر کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا و ارا اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے شراب بیچنے صلیب نکالنے ناقوس پھینکنے' اصطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بے باکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مورخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدہ میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی:

ولا یرفعوا فی نادی اھل الاسلام صلیبا ۔ ۱

یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔ ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی کہ:

یضربوا نو اقیسھم فی ای ساعۃ شائووا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوۃ ۔ ۲

یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے۔ سور کی نسبت یہ الفاظ تھے:

ولا یخرجوا خنزیرا من منازلھم الی افنیۃ المسلمین

یعنی ذمی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں۔

اصطباغ نہ دے سکنا

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جا سکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے۔ عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ اصطبغ دے دیتے ہیں اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی مذہب قبول نہ کرنے پائے۔

---

۱ کتاب الخراج ص ۸۰

---

۲ کتاب الخراج ص ۸۶

بعینہ اس طرح جس طرح ہم مسلمانوں میں بچوں کا ختنہ کر دیا جاتا ہے بے شبہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوتا تھا یعنی یہ گر کسی عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب کو موافق پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنا لیں۔

حضرت عمرؓ نے اس صورت خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اس کو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین قیاس ہے کیونکہ جب ان کا باپ مسلمان ہو گیا تھا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے، شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

على ان لا ينصروا وليدا ممن اسلم ابائوهم

یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کی اولاد کو عیسائی بنا سکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں:

ان لا ينصرو اولادهم اذا اسلم ابائوهم [1]

یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قاءکر یک معاہدہ کو کیوں سخت کیا لیکن جواب یہ ہے کہ فرضی صورت یہ تھی کہ بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لیے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا بلکہ علامہ طبری [2] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے لیے یہ شرائط پیش کی تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سور نہ لائیں تو خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں۔ نومسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے؟ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا ہے۔ یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن االثیر نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا' رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء نے چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفتی رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لیے۔

---

[1] طبری ص ۲۵۱۰

---

[2] طبری ص ۲۵۰۹

عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کے معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کی شرارتیں

زیادہ ظاہر ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ بالا خانے سے دھکیل دیا، جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آ گیا۔ مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا[1]۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الشروط میں یہ واقع کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کی اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا لیک انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں[2]۔

غرض یہ امر تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کیے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ انکی زمین اور باغوں کی قیمت ک تخمینہ کرے۔ چنانچہ جو قیمت متعین ہوء حضرت عمرؓ نے ان کو بیت المال سے دلوا دی۔[3] اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین میں قیمت دلوائی[4]۔

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دیا ان میں یہ شرطیں لکھیں:

ا۔ عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افسران ان کی آبادی اور زراعت کے لیے ان کو زمین دیں۔ جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائیں وہ ان کو مدد کرے ۲۴ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵ کتاب الخراج ص ۲۹

---

[2] کتاب الخراج ص ۴۲

۳؎ فتوح البلدان ص ۲۹

۴؎ کتاب مذکور ص ۲۹

۲۔ اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہؓ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اسم معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے۔؎

ایک ایسی فوج جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے؟

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ کیا ہے اور وہ تین زبانوں (اردو، انگریزی اور عربی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے شیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ ی کوئی ئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے۔ اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور سے اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پر خطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں میں ہٹ آئیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جذیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص اور دمشق وغیرہ وہاں کے باشندوںؓ کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ہم

ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لیے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود اس کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود سنہ ۱۷ھ میں عرب کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ:

يستعينوا بمن احتاجوا اليه من الاساورة ويرفعوا عنهم الجزاء [2]

''یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو''۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۱

---

[2] طبری ص ۲۴۹۷

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ھ میں جب آذربائیجن فتح ہوا تو اہ شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔[1]

ومن حشر منهم فى سنة وضع عنه جزاء تلك السنة

''یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا''۔

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے:

وعلى اهل ارمينيه ان ينفرولك غارة وينفذوا كل امر ناب اولم نب راه الوالى صلاحا على ان توضع الجزاء [2]

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی:

ان لكم الذمة وعلينا المنعة على ان عليكم من الجزاء فى كل سنة على قدر طاقتكم ومن استعنا به منكم فله جزائه فى معونة عوضا ؤعن جزائه [3]

''یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہو گا اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے

بدلے جزیہ معاف ہوجائے گا‘‘۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال س معاہدوں سے طرز عمل سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا تھا کہ جزیہ کو موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

جزیہ کا مصرف فوجی مصارف پر محدود تھا یعنی اس رقم س صرف اہل فوج کے لیے خوراک لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں روغن زیتون‘ شہد اور سرکہ لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہوگیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لیے جانے لگے۔[۴]

---

[۱] طبری ص۲۶۲

[۲] طبری ص۲۶۶۵

[۳] طبری ص۲۶۶۵

[۴] فتوح البلدان ص۲۱۶

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں تو انہوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں مرتد قبائل میں سے جو لونڈی و غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔

عرب کا غلام نہ ہو سکنا

یہ قول کہ لا یسترق عرب یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔[1] اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فن نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا' امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے

ل اذھب الی قول عمر لیس علی عربی ملک ۔ ۲

یعنی میں عمر کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے۔ یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں بلکہ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے جب کوئی ملک فتح ہوتا تو افوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں ندے دی جائے۔ ملک کی تقسیم مین تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید سے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کر دی لیکن غلامی کے لیے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا اس لیے وہ تمام افوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح

ہوئے اس کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے۔ عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں تھیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا۔ یہاں تک کہ مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے۔ غلام بنا کر عرب میں بھیج دیے گئے تو حضرت عمرؓ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر واپس بھیج دیا اور ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔

۱؎ کنز العمال میں امام شافعیؒ کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب مذکور جلد دوم ص ۳۱۲

۲؎ منتقی الاخبار لابن تیمیہ۔

چنانچہ مورخ نے ان دیہات کے نام اور اس واقع کو تفصیل سے لکھا ہے۔۱؎

شام کے شہروں میں بصریٰ فحل طبریہ، دمشق حمص، حماۃ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور وشور سے لڑے غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے فارس، خوزستان، کرمان اور جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیے گئے تھے کہ لوگوں کیجان و مال سے تعرض نہ ہوگا۔ صامغان، جندی سابور اور شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لایسبوا یعنی وہ لوگ جو گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام نہ بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کر لو۔۲؎ ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔۳؎

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے

اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کو بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کروں گا جب وہ زر معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے:

فکاتبو ھم ان علمتم فیھم خیرا

لیکن فقہا اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاہدہ کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انسؓ نے انکار کیا سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے انسؓ کو درے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی آخر انسؓ کو مجبوراً ماننا پڑا۔

---

۱ مقریزی جلد اول ص ۱۶۶

۲ فتوح البلدان ص ۳۷۷

۳ کنز العمال ص ۳۱۲ جلد ۲

حضرت شہر بانو کا قصہ

اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح ان کو بازار میں بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ

لڑکیاں کسی کے اہتمام و سپردگی میں دی جائیں اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؓ ایک محمد بن ابی بکرؓ کو اایک عبداللہ بن عمرؓ کو عنایت کی اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشر ی نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا کہ ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت نقل کی ہے لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زمخشر ی کے سوا طبری ابن الاثیر یعقوبی بلاذری اور ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل مختلف ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو حاص نہ ہوا۔ مدائن کے معرکے میں یزدگرد تمام اہل وعیال کے دارالسلطنۃ سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر سنہ ۳۰ ھ میں جو عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشر ی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر ۱۲ سال کی تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس سنہ ۱۷ھ می فتح ہوا۔ اس لے امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہو گی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں پائی گئی ہوگی اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اس میں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب وانسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

عمرو بن العاصؓ نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اول بلبیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا یہیں مقیم تھی وہ بھی گرفتار ہوئی۔

عمرو بن العاصؓ نے اس کو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لیے ایک سردار جس کا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔[1]

عام غلاموں کے ساتھ مراعات

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کو روکنے کے لیے کیے۔ لیکن جو لوگ غلام بنا لیے گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہیں مقرر کیں۔ بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمال تھے ان کی نسبت وہ اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر اس کو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔[2]

اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمان کی طرف سے سمجھی جائے گی اور فوج کو اس کا پابند ہونا ہوگا۔ چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے:

ان عبدا المسلمین من المسلمین و ذمته من ذمتھم یجوز امانه[3]

غلاموں کا اپنے عزیز واقارب سے جدا نہ کیا جانا

غلاموں کے لیے جو بڑی تکلیف کی بات تھی یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز واقارب س جدا ہو جاتے تھے۔ بیٹا باپ سے چھوٹ جاتا تھا بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی۔ آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں وہ اسی واقع کو درد انگیز صورت میں دکھاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز واقارب سے جدا نہ ہونے پائے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے۔ باپ بیٹے بھائی بہن ماں بیٹیاں بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں ساتھ رہتی تھیں۔

۱؎ مقریزی جلد اول ص ۱۸۴

۲؎ طبری ص ۲۷۷۵

۳؎ کتاب الخراج ص ۱۲۶

اس باب میں ان کے جو احکام ہیں ان کو کنز العمال میں مستدرک حاکم بیہقی، مصنف ابن شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

لا یفرق بین اخوین اذا ببعا لا تفرقوا بین الام و ولدھا لا یفرق بین السبایا واولادھن

"یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے یعنی ماں سے الگ نہ کیا جائے یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کیے جائیں"۔

حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت پر استدلال کیا۔

تقطعوا ارحامکم (۴۷/محمد : ۲۲) ۱؎

اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہوسکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔[1]

حضرت عمرؓ نے جب مسمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور انکے بیٹے شرجیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا ہے۔[2]

غلاموں میں اہل کمال

حضرت عمرؓ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گھروں میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوگئے۔ جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہؓ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی۔ نافعؒ جو امام مالکؒ کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلہ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔

علامہ بن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکرؓ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمرؓ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے تو علم وفضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی لیکن ہمارے نزدیک اس قبول وارعزت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا۔

---

[1] کنز العمال جلد دوئم، ص ۲۲۶

[2] فتوح البلدان ص ۱۳۸

بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں لینا میں بے ادبی خیال کرتا

ہوں) کے فضل وکمال نے اس مسئلے پر اثر کیا لیکن اگر حضرت عمرؓ نے امہات اوالد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل کمال حاص کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا؟

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ ایجاد نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کو یہ حق حاصل تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری کی کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست وتدبیر اور عدل وانصاف

عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروقی بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب' مختلف قومیں اس کے دائرے میں داخل ہیں لیکن اس سرے سے اس سرے تک ہر طرف امن وامان اور سکوت واطمینان چھایا ہوا تھا۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ وجلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی کہ جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعتہً انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے۔ ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے۔ وحشیانہ سزائیں دی جائیں اور آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے۔ اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہوسکتا تھا۔ عربسوس والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو ان کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ ان کی جائیداد مال اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کر ایک ایک چیز دوگنی قیمت ادا کر دی۔

نجران کے عیسائیوں نے خودمختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا مگر اس رعایت کے ساتھ کہ ان کی جائیداد وغیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ رہ میں جدھر ان کا گزر ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام اختیار کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔[1]

حضرت عمرؓ کی مشکلات

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو رعایا ایسی ہاتھ آئی تھی کہ جس میں زیادہ تر اطاعت وانقیاد کا مادہ تھا اور اس لیے ان کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہ آئی لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ حضرت عمرؓ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ غیر قومیں جو حلقہ اطاعت میں آء تھیں پارسی عیسائی تھیں۔ جو دت تک شہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اس لیے ان کو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہوسکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے۔ جو حضرت عمرؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مولفتہ القلوب کا گروہ تھا جس کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمرؓ کسی میں نہیں۔ عمرو بن العاصؓ جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو خراج کے معاملہ میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ اللہ کی قدرت ہے جاہلیت میں میرا باپ جب کم خواب کی زیب بدن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے۔ آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔ بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے۔ چنانچہ ولی اللہ صاحب ازالتہ الخفاء میں لکھتے ہیں زبیر و جمعے از بنو ہاشم درخانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ درباب نقض خلافت مشورھا بکار می بردند[1]

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبا دیا گیا لیکن بالکل پرمت کیونکر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خودسری تھا اور یہی وجہ سے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئی۔ حضرت عمرؓ اگر امیر معاویہؓ کی طرح اس آزادی کو مٹا کر حکومت کا رعب وداب قائم رکھتے تو چنداں تعجب نہ تھا لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ اور چمکاتے تھے۔ بارہا مجمع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں

حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ سے اور اپنی برات بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا:

۱؎ ان واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق میں بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۲؎ ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۲۹

والله ما عدلت یا عمرا لقد نزعت عاملا استعمله رسول الله وعمدت سیفا سله رسول الله ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن العم ۔ ا

"یعنی اے عمر خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عامل کو موقوف کر دیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا۔ تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سن کر صرف یہ کہا کہا تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آ گیا۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب وداب تھا کہ حضرت خالدؓ کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالدؓ کی قسم کا خیال دل میں نہ لا سکے۔ امیر معاویہ و عمرو بن العاصؓ کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں لیکن حضرت عمرؓ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاصؓ کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کے سامنے ہی ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھتے رہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کو معملوی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کے بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاست وتدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات می اس کی نظیر نہی ملتی۔

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں

ان کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ گدا شریف و رزیل عزیز و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت سن کر کہا کہ تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔

---

[۱] اسدالغابہ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاہلیت میں ایسا ہی ہوتا تھا لیکن اسلام نے سب پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل میں کچھ تمیز نہیں تو اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیک حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ داران ملکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کو ان سے شکایت ہو پیش کرے؟ اس مجمع عام میں عمرو بن العاصؓ گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو درے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یا امیر المومنین اس طریق سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تاہم ایسا ضرور ہو گا۔ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے اپنا کام کرو۔ آخر عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو

اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنا دعویٰ سے باز آئے۔[1]

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے صہیب' بلال عمار وغیرہؓ موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے۔ اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیانؓ ج زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے ان کو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کرے کہا کہ اللہ کی قدرت ہے غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں ابوسفیانؓ کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے نامناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے۔ ایک نے کہا بھائیو سچ یہ ہے کہ ہم عمرؓ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔[2]

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کو تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے جو لوگ ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے بڑے دعویٰ کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جئے گا ارفہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیے۔

---

[1] کتاب الخراج ص ٦٦

[2] اسد الغابہ تذکرہ سہیل بن عمرو۔

انہوں نے دولت و جاہ زور وقوت' ناموری و شہرت اور امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں بیش و کم مقرر کیں جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھت تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی۔ جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے ان کی تنخواہین برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی

زیادہ گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا واللہ اسامہؓ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[1]

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لیے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلے سے تھا لڑائی میں یا آل ضبۃ کا نعرہ مارا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئیت و سال بھر کے لیے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔[2]

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔ عمال کو ہمیشہ تاکید کی کہ احکام بھیجتے رہتے تھے۔ کہ کسی طرح کی امتیاز و نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہ کر اپن فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر جلوت و خلوت میں مکان اور بازر میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہے۔ حاانکہ شہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابری کے القاب پر خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۵۶

---

[2] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۶۷

اس اصول انصاف سے اگر چہ خاص خاص آدمی جن کی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا دل میں مکدر ہوتے تھے لیکن یہ چونکہ عربی کا اصلی مذاق تھا۔ اس لیے عام ملک پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھا وہ روز بروز معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خودرائی کے اظہار کی جرات نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب جو انہی بے ہودہ مفاخر کی بنا پر آپس میں لڑتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟

اس موقع پر بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لیے امیر المومنین کا پر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفار عرب آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔[1]

حضرت عمرؓ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ اک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدے کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع دو۔ عمرو بن العاصؓ نے اطلاع دی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اس تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔[2] اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا

توانہوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوان نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے۔ حضرت عمرؓ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمرؓ قطعی طور سے جانتے تھے ک یہ بار گراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا۔

ا؎ مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب یا امیر المومنین۔

۲؎ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ مطبع آرہ صفحہ ۱۸۴

کیا ایسے وقت میں ان کی راست بازی کا تقاضای تھا کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دست بردار ہو جاتے اور اگر وہ ایسا کرتے تو اللہ کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے پہلے ہی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ:

ولا رجانی ان اکون خیر کم لکم واقوا کم علیکم واشدکم اضلالا بما ینوب من مھم امرکم ماتولیت ذالک منکم ؎ ا

"یعنی اگر مجھ کوی امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لیے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کے لیے سب سے زیادہ قوی باز وہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا"۔

اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں جو امام محمدؒ نے موطا میں روایت کیے ہیں:

لو علمت ان احد اقویٰ علی ھذا الامر نی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی ؎ ۲

"یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت کے) لیے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کے بہ نسبت میرے نزدیک یہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن ماردی جائے"

سیاست

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحت و واقعیت سے ہٹا ہوا ہے حضرت عمرؓ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ تمام صحابہؓ سے اعلانیہ ممتاز ہیں جو ممالک دائرہ خلافت میں داخل تھے۔ ان کی اصلی تین قسمیں تھیں۔ عرب اور ایران و مصر۔ اس یے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا اس لیے ان کی پولیٹکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ وہ رؤسائے عراق میں سے ابن التحیر جان، بسطام بن برسی، رفیل، خالد، جمیل کے معقول روزینے مقرر کر دیے شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائیداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس یے ان کی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا۔

---

1. انساب الاشراف بلاذری

---

2. کتاب مذکور مطبوعہ مصطفائی ص ۴۰۰

وہ رومی حکومت کے بجائے ایک عادل اور نصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ا کے ساتھ وہ مراعات کیں کہ انہوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں ی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا۔ چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی تھی لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقوقس کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا، اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے کہ وہ ناخرید اغلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہوگئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کراد

یے یا فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سیکڑوں می تک اثر پہنچا تھا اور کسی بغاوت کی جرات نہیں ہو سکتی تھی کوفہ و بصرہ میں جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا' خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولیٹکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دیا بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔چانچہ عمرو بن العاصؓ کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبہ جات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اس کو علیحدہ کر دیتے تھے جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ آپ لوگ یہ دلوت بہت جمع کر چکے ہیں پھر فرمایا

لا تخرجوا فتسلوا یمینا و شمالا ؎ ا

ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پوچھا آپ لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں فرمایا اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے؎۲ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیے۔ صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے اور اس میں زیادہ تر یہ مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص مشہور تھے۔ جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔امیر معاویہؓ عمرو بن العاصؓ مغیرہ بن شعبہؓ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لیے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ ہیں آ سکتا تھا اس لیے سب کو بڑے بڑے عہدے دیے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔

؎ا تاریخ یعقوبی ص ۱۸۱

؎۲ تاریخ یعقوبی ص مذکور

ان کی وفات کے بعد کوئی شخص ایسا نہ رہا جو ان کو دبا سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمانب اور حضرت

علیؓ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں کی ضرورت سے جو جو کام کیے ان کا واقعی نام خدع' مکروفریب' ظاہرداری اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے رفارما اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کچھ وہ کرتے تھے اعلانیہ کرتے تھے اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ:

انی لم اعزل خالدا عن سحطة ولا خیانة ولکن الناس فتنو به فخفت ان یوکلو الیه ۔ ا

''یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں موقوف نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے کہ ولگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے۔ اس لیے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کرلیں''۔

ثنیؓ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیے ارفرمایا:

لم اعزلھما عن ربیعة ولکن الناس عظموھما فخشیت ان یوکلوا الیھما

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صاف اس کی وجہ بیان کردی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں ل ے حکومت وانتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کیے تھے۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

یہ عموماً مسلمہے کہ جو ہر شناسی کی صفت ان میں سب سے برھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کردی تھی۔

اورانہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیے تھے۔ سیاست وانتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاصؓ مغیرہ بن شعبہؓ زیاد بن سمعیہؓ چنانچہ ان کو سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام ومصرو کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

---

۱ طبری ص ۲۳۹۳

جنگی مہمات کے لیے عیاض بن غنم، سعد بن ابی وقاصؓ نعمان بن مقرنؓ وغیرہ کو منتخب کیا۔ عمر معدی کرب اور طلیحہ بن خالدؓ اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے۔ اس لیے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت وعبداللہ بن ارقمؓ انشاء وتحریر میں مستثنیٰ تھے۔ ان کو میر منشی مقرر کیا۔ قاضی شریح کعب بن سور، سلمان بن ربیعہؓ عبداللہ بن مسعودؓ فضل قضایا میں ممتاز تھے ان کو قضا کی خدمت دی۔ غرض جس کو جس مقام پر مقرر کیا وہ گویا اسی کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قومو ل کے مورخوں نے بھی کیا ہے ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رورعایت کیا ار مغیرہ وعمارؓ کو چھوڑ کر باقی کا تقرر نہایت مناسب وموزوں ہوا۔

بے لاگ عدل وانصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکا کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ ان کا عدل وانصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست، دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات پر ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کیس کی عظمت وشان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب وہ وگ یہ دیکھتے کہ خاص اپنی آل اولاد اور عزیز واقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔

ان کے بیٹے ابوشحمہ[1] نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ان کو ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمے سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامہ بن مظعونؓ جوان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو اعلانیہ ان کو ۸۰ درے لگوائے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں سے جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اس کو اختیار کرتے تھے خراج، عشور، دفتر، رسد، کاغذات، حساب، ان تمام انتظامات میں انہوں ں ے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔

[1] ابوشحمہ کے قصے میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو شرعی سزا دی اور اسی صدمے سے انہوں نے انتقال کیا (دیکھو معارف بن قتیبہ ذکر اولاد عمرؓ)

عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیفؓ کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مال گزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔[1] جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا لیکن اس تشخیص میں وہی صول ملحوظ رکھے۔ جو نوشیروان عادل نے اپنی حکومت میں قائم کیے تھے۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے:

وھی الوضائع الت اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتح بلاد الفرس ۔ ا

"یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتدا کی"۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح اور علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے:

علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کے معاصر و ہم پایہ تھے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم[3] ہے اس میں جہاں حضرت عمرؓ کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ:

وکان عمر یکثر الخلوۃ بقوم منالفرس یقرون علیه سیاسیات الملوک ولا سیما ملوک العجم الفضلا و سیما انوشروان اوانه کان معجبا بها کثیر الاقتداء بها

"یعنی عمرؓ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت میں خاص رکھتے تھے۔ یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ خصوصاً شاہان عجم اور ان میں سے بھی خاص کر نوشیروان کے اس لیے کہ ان کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے"۔

علامہ موصوف کے بیان سے تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۱

[2] تاریخ کبیر طبری ص ۲۶۲

[3] یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد ایا صوفیہ میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے۔

واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول تھی رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے ملکی انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے مک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں:

وکان عمر لا یخفی علیه فی شئی فی عمله الیه من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزہ من اجیز فیها ۱

"یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی۔ عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیے گئے سب کی تحریری اطلاعیں ان کو پہنچیں"۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدی کربؓ کو دوہرا حصہ نہیں دیا۔ عمرو معدی کربؓ نے وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اس لیے اس کا حصہ کم ہو گیا۔ معدی کربؓ کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا بولے کہ ہاں دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی عمرو معدی کربؓ کو سخت تنبیہ کی جس کی وجس ے ان کو آئندہ ایسی گستاخی کی جرات نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت ونعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بیوی کو خط لکھا جس میں یہ یہ شعر بھی تھا:

لعل امیر المومنین یسووء

تنادمنا بالجوسق المتهدم

"غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں"۔

حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت نا گوار ہوئی ۲۔ صحابہ میں حذیفہ بن الیمانؓ بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عہد نبوت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے حضرت

عمرؓ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ایک شخص ہے حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہؓ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا انہوں نے خود پتا لگا لیا۔[۳] اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں:

---

[۱] طبری ص ۲۵۲۶

---

[۲] اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی۔

---

[۳] اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔

وکانو الا یدعون شیئا ولا یاتونه الا وامروافیه ۔ ۱

''یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کیے نہیں کرتے تھے''۔

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا اور اس کی نسبت فرمایا کہ:

لقد هممت ان لا ادع فیها صغراء ولا بیضاء الا قسمته ۔ ۲

''یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کر دوں''۔

ایک دفعہ مال غنیمت ہاتھ آیا حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجیے کیونکہ میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں۔

حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں[3]

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے روستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثومؓ (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر چند شیشیاں بھیجیں۔ اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کیے گئے غرض جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے لوگوں ے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے للوں[4] س کارروائی سے طلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامرہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

---

[1] طبری ص ۲۷۴۸

[2] صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبہ۔

[3] مسند احمد بن حنبل

[4] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۴

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بسر کرتے تھے خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہؓ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال میں سے کس قدر اپنے مصارف کے لیے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائے دیں' حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک لباس چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں ے لیے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا[1] فوجی روزینہ داروں

میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لیے تنخواہیں مقرر کیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سالانہ ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی سے فاروق اعظمؓ کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی تعداد یہ تھی۔

ان کی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے، زمین پر سو رہتے تھے مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا۔ اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا۔ بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آ جاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا گیا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا میں اپنا حصہ لے لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہو گا۔ چنانچہ ان کی بحث مفصل آگے آئے گی۔ انہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اسی بدگمانی ک اظہار بھی کر دیا تھا۔ حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا لیکن چونکہ ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اس لیے بلا کر ان سے کہا فی نفس منک شئی یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انہوں ن یکہا کیوں فرمایا:

ان خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی ھوات ۲

''یعنی مجھ کو ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو''۔

---

۱ تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۵ھ

---

۲ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۶۵، ۶۴

یہ صرف سوئے ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہؓ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علیؓ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یادرکھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاری اور تنگ روزی برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جوشورشیں کیں۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز واقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات ہے کہ اگر چہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے۔ دارالخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوءتھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر وقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہوفقہ کی ترتیب اور افتا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا الگ تھا۔ اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہ ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں بھی حرج نہیں ہوتا تھا۔

تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آی اتھا پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد بن ابی وقاصؓ گورنر کوفہ کی شکایت گزری۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے' تاہم سعدؓ کی تحقیقات نہیں رک سکتیں۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدوکاوش سے سعدؓ کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام نا کے روک دیے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔

زیادہ ابن حدیر عراق میں وہ تمام یکی کی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور انیس ہزار مجھ کو حوالہ کیجیے دوبارہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس نے پھر محصول انگا وہ مکہ مکرمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطم ءرہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا ور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے۔ یہاں

حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی تو فرمایا نہیں دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں وہی حنیفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام کر دیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے[1]۔

رفاع عام

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا کہ اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج ضعیف از کار رفتہ مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے لیکن ج کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حک دیا کہ ایک جریب آٹا پکایا جاے[2] پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا اراسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ یہ دونوں وقت کے لیے کافی مقدار ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کے لیے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے کہ اعلان عام کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہات میں لے کر کہا کہ میں نے ت لوگوں کے لیے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے اللہ سمجھے گا۔ ایک روایت ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے:

انی قد فرضت لکل نفس مسلمة فی شهر مدی حنطة و قسطی خل

''یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی مہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا''

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی[3]

غرباء اور مساکین کے روزینے

غربا اور مساکین کے لیے بلا تخصیص مذہب ی حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔ چنانچہ جیسا کہ ہم اوپر ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ اللہ کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراء والمسکین فقراء اور سے مراد مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

---

[1] یہ دونوں روایتیں کتاب الخراج ص ۷۸ ۹ُ۷ مُں ہیں۔

[2] قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

[3] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان میں ۴۶۰ میں اور تمام تاریخوں میں بھی ذرا ذرا اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

لاوارث بچے

اولاد لقطہ یعنی گمنام بچے ج وک ان کی مائیں شہراہ وغیرہ رپ ڈال جاتی تھیں۔ ان کے لیے ۱۸ھ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ لے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ چنانچہ ان مصارف کے لیے اول ۱۰۰ درہم سالانہ مقرر ہوتے

تھے۔ پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔[1]

یتیموں کی خبر گیری

یتیموں کی پرورش اور اگر ان کی جائیداد ہوتی تھی تو اس کے حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

قحط کا انتظام

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجیب وغریب سرگرمی ظاہر کی' اول بیت المال کا تمام نقد غلہ صرف کیا' پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے چار ہزار اونت غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ عمرو بن العاصؓ نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کیے جن میں سے ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ حضرت عمرؓ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ تک گئے جن کا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہے۔

---

[1] بلاذری ص ۴۵۲ و یعقوبی جلد دوم ص ۱۷

بندرگار میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن حارثؓ کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمرؓ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔[1] اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی

اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ ملک کی پرورش

وار پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت کوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔

ایشیا میں سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہی رکھتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے دوسری طرف قوم کا دریوگہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لولگائے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں کہ جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں ایسے آدمی پیدا کر دیے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلانا چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بے خبر نہ تھے۔ وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھی وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہوسکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کی کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا نہیں رکھت تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمر میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہو مانگو علامہ ماوری نے احکام السلطنۃ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہیں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے

وقد فعل عمر مثل ذالک بقوم من اھل الصدقه۔ [1]

---

[1] یہ تفصیل یعقوبی ص ۱۷۷ میں ہے اخیر کے فقرے یہ ہیں ثم امر زید بن ثابت ان یکتب لناس علی منازلھم وامران یکتب صکاک من قراطیس ثم

تختم اسافلها فکان اول من صک وختت اسفل الصکاک اردب کم وبیش وومن کا ہوتا ہے۔

۲؎ الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر ص ۲۳۵

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت کرتے تھے کہ یہ کوئی پیشہ کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا مکسبۃ فیھا دناۃ خیر من مسالۃ الناس یعنی ذیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کی نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا موقع زیادہ تر علماء اور صوفاء کو ملتا ہے۔ ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو اعلانیہ مخاطب کر کے کہا لاتکونا اعیالا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۱؎

جزئیات پر توجہ

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لیے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے قدیر ار عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے۔ ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔۲؎ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دارالصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلم بند کرتے۔

محبؒ طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے

گھروں پر جاتے اورعورتوں سے کہتے کہ تم نے کچھ بازار سے منگوانا ہوتو میں لا دوں ۔ وہ لونڈیاں ساتھ کردیتیں ۔ حضرت عمرؓ خود چیزیں خریدتے اوران کے حوالہ کرتے ۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اوراہل فوج کے خطوط لاتا تو وہ خودان کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھوارکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے ۔ کاغذ قلم ودوات خود مہیا کردیتے اور جس کے گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے ۔

ا؎ سیرۃ العمرین لابن الجوزی ۔

۲؎ فتح البلدان صفحہ ۴۵۲

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے مسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ س بات پر مبذول رہی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان کے پہنچنے سے رہ نہ جائے ۔ یہ معمول رکھا کہ نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو کچھ ان سے کہنا سننا ہوتا کہتا ۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے ۔ اراتوں کو دورہ کرتے تھے سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے ۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے ۔

سفارت

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اوروہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں ۔ اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں ۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آتیں اور جس طرح انہوں نے

اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں اس کا حال عقدالفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ تھی۔فرماتے ہیں کہ عمال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔اس بنا پر ارادہ کیا کہ شام جزیرہ' کوفہ' اور بصرہ کا دورہ کریں۔اور ہر جگہ دو مہینے ٹھہریں لیکن موت نے فرصت نہ دی۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری

تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی۔

اس سفر میں ایک عبرت ناک واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافت کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا۔سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے۔ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔اس سے پوچھا کہ عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے؟

اس نے کہا کہ ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے لیکن اللہ اس کو غارت کرے آج تک مجھ کو اس کے ہاتھ سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دور سے عمرؓ کا حال کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔

بولی کہ اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے۔حضرت عمرؓ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔[1]

---

[1] کنز العمال جلد دوم ص ۳۲۰

ہم اس موقعہ پر متعدد حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ سے آیا اور شہر کے باہر اترا۔اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ادھر متوجہ ہوئے دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے

تھوڑی دیر بعد پھرادھر سے گزرے تو بچے کو روتا پایا غیظ میں آ کر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کر یت ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اوراس وجہ سے یہ روتا ہے۔ حضرت عمر کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمرؓ تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا۔ اسی دن منادیکرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کردیے جائیں۔

اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کوگشت کے لیے نکلے دمدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکارہی ہے اور دو تین بچے رورہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت دریافت کی اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے ان کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چرھا دیہے حضرت عمرؓ اسی وق اٹھے ار مدینہ میں آ کر بیت المال سے آٹا گوشت گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھپر رکھدو۔ اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایاہاں لیکن قیامت میں تم میرا بار نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خودلادکرلائے اورعورت کے آگے رکھدیں۔ اس نے آٹا گوندھا ہانڈی چڑھای حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہوکر رکھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا کہ اللہ تم کو جزائے خیر دے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔

ایک دفعہ رات کوگشت کررہے تھے کہ ایک بدو اپنے خیمے سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اورادھرادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعتہً خیمے سے رونے کی آواز آئی حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہے؟ اس نے کہا میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر آئے اورام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا ام کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجیے

امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مودب ہو کر بیٹھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے۔ میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے۔ آؤ ہم چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی حالت عجیب ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت گھی مچھلی غرض کہ کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خصوص سے دعائیں مانگتے رہے کہ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرو۔ اسلام ان کے غلام کا بیان ہیکہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو جو فکر و تردد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اس غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے۔

یا عمر الخیر خیر الجنة

اکس بنیاتی و امهنه

اقسم بالله لتفعلنه

''اے عمر لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے۔ میری لڑکیوں کو اور ان کو ماں کو کپڑے پہنا اللہ کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہوگا''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا؟ بدو نے کہا

تکون عن حالی لتسئلنه

والواقف المسول ببهتنه

اما الی نار واما جنه

''تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا اور تو ہکا بکا رہ جائے گا۔ پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا''۔

۱؎ یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۳ میں مستند حوالوں سے منقول ہیں۔

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتہ اس کو دے دے اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں!

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانہ پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی:

تطاول هذا الليل و ازور جانبه

وليس اهلى جنبى خليل الاعبه

''رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پہلو میں شوہر نہیں جس سے خوش فعلی کروں''۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن تک مرد کے بغیر رہ سکتی ہے انہوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوتے ہی ہر جگہ یہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہے۔

سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔۲؎

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر دیکھا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا کہ جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اور اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر

کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لیے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کیں۔

۱؎ سیرۃ العمرین وازالتہ الخلفاء

۲؎ اسد الغابہ تذکرہ سعید بن یربوع

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

واز میان امت جمعے هستند که جوهر نفس ایشان قریب بجوهرا انبیاء مخلوق شده وایں جماعه دراصل فطرت خلفائے انبیاء اندر درامت ؎ ا

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اس صفات کمال کا اعتراف سزا و جزا کا یقین زہد و عبادت ؤ محاسن و اخلاق یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصل اصول ہیں اور احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی س کام نہ لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وج ہے کہ باوجود یہ کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کو مٹانے کے لے آیا اور اس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں اس لیے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں اور اسی لیے آئمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف خواص کا جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے۔ گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما

الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرات ودلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا ان کی نظیر صحابہؓ کے زمانے میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا وقدر

الٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا وقدر کا ہے۔جس میں عموماً بڑے بڑے آئمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی شدت نہایت زیادہ ہے۔حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا۔حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آ کر کہا افرارا من قدر اللہ یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا:

نعم نفر من قدر الله على قدر الله [2]

---

[1] ازالتہ الخفاء جلد اول ص ۹

---

[2] یہ واقعہ مفصل طور پر مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے۔

یعنی ہاں ہم اللہ کے حکم سے اللہ کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی سے باز رکھا۔ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اعلانیہ کہا۔

انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع

''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان''۔

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی شہادت دے گا لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔ چنانچہ ناقدین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا[1]۔

سفر حج سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس کی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اہل کتاب اہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا[2]۔

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ سوم، ص ۹۱ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کا ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے۔

---

[2] ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۹۱ حجۃ البالغۃ: صفحہ:۶

منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں؟

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے' باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سوٴے ہوتے ہیں تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص جزیہ کا تعین ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا ہے کہ امور منصب نبوت سے تعلق نہی رکھتے۔ اس لیے ان مسائل کو خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا ی تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیاہ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجتہ اللہ البلاغہ خاص ایس فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتیتھے۔ جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ یہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہ یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور رائے اور عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ البالغہ میں لکا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت زیدؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کیے[1]۔

---

[1] حجتہ اللہ البالغہ ص ۶

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا ہے ان میں عبداللہ بن عباسؓ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی۔ حضرت علیؓ کا سن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابتؓ کا سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے وقت گیارہ برس کا تھا۔ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کی ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اولیت کا منصب حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمرؓ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں ضو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامان رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اشارہ ہے۔

فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلواۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفرو (۴النساء : ۱۰۱)

لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا انعام ہے۔[1]

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوروں میں آہستہ آہستہ دوڑے چلتے ہیں۔اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے ہیں کہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا[2]۔اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا۔چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا:

مالنا وللرمل انما کنار اینا به المشرکین وقد اهلکهم الله

یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض۔اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا۔سو ان کو اللہ نے ہلاک کیا۔

حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجتہ اللہ البلاغہ میں لکھا ہے کہ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔عبداللہ بن عباسؓ جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں تو کہا کہ غلط سمجھتے ہیں[3]۔

---

[1] صحیح بخاری

---

[2] صحیح بخاری باب الرمل

---

[3] ازالتہ الخفا حصہ دوم ص ۱۹۵

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ۔ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں۔اس سے بداہتہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی۔اور جو آپ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

حضرت عمرؓ یک فیض سے قوم میں وہ اخلاق رہے اور نئ قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمرؓ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے۔ان کا خلوص انقطاع الی اللہ لذائذ دنیا سے اجتناب حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، اور یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں پر اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کم وبیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔مسور بن مخرمہ ؓ کا بینا ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مورخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کیے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسیؓ ابوعبیدہ سعید بن عامرؓ وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر وغرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر وغرور عام لوگوں کی تحقیر ہجو و بدگوئی، عشق وہوا پرستی، بادہ نوش، اور مے پرستی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام بے ہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر وغرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں۔لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے اس کو حکماً بند کر دیا۔آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل ٹھکرا دی۔ایک دن صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کو دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر

نہیں بٹھایا تو نہایت افروختہ ہو کر کہا کہ اللہ ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعبؓ سے جو بڑے رتبے کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب و تعظیم کے لیے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر سے آ نکلے یہ حالت دیکھ کر ابیؓ کو ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے یہ آپ کیا کرتے ہیں فرمایا:

او ما تری فتنۃ للمتبوع و مذلۃ للتابع

یعنی تم نہیں جانتے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔[1]

ہجو کی ممانعت

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء جا بجا لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا۔ اس لیے یہ ہجویں نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھیں اور ان سے سینکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اس کے لیے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حطیہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کر دیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متعداول تھے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دے رکھا تھا کہ وہ اب نہ پڑھے پڑھائے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔[3]

ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوا پرستی کا بھی ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعراء زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ انداز

میں اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی وآوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

شاعری کی اصلاح

حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں چنانچہ صاحب اسدالغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا یشبب احد بامراۃ الا جلدہ

۱؎ مسند داری

۲؎ اسدالغابہ تذکرہ زبرقان

۳؎ آغانی تذکرہ حسانؓ بن ثابت

شراب خوری کی روک

شراب پینے کی سزا جو پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انہوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش وعشرت میں مبتلا نہ ہونے پائیں اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی وحق گوئی کا قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ

نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنوامیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبدالملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے۔ جس کی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی۔ اور جناب امیر حضرت علیؓ کو جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے۔ برخلاف اس کے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تقریر وتحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاصؓ کے معزز فرزند نے جب ای قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذکم تعبد تم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا

''یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو کب سے غلام بنا لیا؟ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔''[1]

---

[1] کنزالعمال جلد ۶ ص ۳۵۵

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ لوگ ان کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے جعلنی اللہ فداک بابی وامی یعنی اللہ مجھ کو آپ پر قربان کر دے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلنی اللہ فداک تو فرمایا کہ اذا یھینک اللہ یعنی اگر اللہ ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر

آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا کہ اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوتا ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا کہ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر کاٹ دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو آزمانے کے لیے ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں ہاں تمہاری شان میں حضرت عمرؓ نے کہا الحمد اللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادی کر لی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حزیفہ بن الیمانؓ کو لکھا کہ میں اس کا ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم کی آپ کی ذات رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہؓ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عمالوں کا مال واسباب نیلام کر کے آڈھا بیت المال میں داخل کرایا تو ایک عام جس کا نام ابو کرۃ تھا صاف کہا کہ اگر مال اللہ کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا اور ہمارا تھا تو اس میں سے تم کو لینے کا حق کیا تھا؟

حضرت عمرؓ کی تقلید اور ان کی تعلیم وتربیت کا اثر یہ ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیک خوئی، حلم وتواضع، جرات وآزادی حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا۔ تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھا تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط وخال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی حیثیت محدث وفقیہ ہونا اجتہاد کا منصب حدیث و فقہ

حدیث وفقہ کا فن درحقیقت تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ میں اور لوگ بھی

محدث وفقیہہ تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی جاتی ہے۔ لیکن فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول وقواعد اول انہی نے قائم کیے۔

احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق جو پہلا کام حضرت عمرؓ نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ روایتوں کا تفحص وتلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقصا کا خیال کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق احادیث محفوظ نہ تھیں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں۔ اس لیے مختلف صحابہؓ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیے تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کے مطابق طے پائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہؓ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے تھے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ کو استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

احادیث کی اشاعت

چونکہ جس قدر زیادہ شائع ومشتہر کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور پچھلوں کے لیے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لیے اس کی نشر واشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

ا۔ احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی

عام اشاعت ہو جاتی تھی یہ احادیث اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

۲۔ صحابہؓ میں جو لوگ حدیث کے فن کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

چنانچه فاروق اعظم عبدالله بن مسعود را باجمعے بکوفه فرستاده و معقل بن یسر و عبدالله بن مغفل و عمران بن حصین رابه بصره و عباده بن صامت و ابودرداء رابشام و بمعاوية بن ابی سفیان که امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت که ز حدیث ایشان تجاوز نگند. ھ ا

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے کہ وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم احادیث روایت کیں۔ چنانچہ وہ کل مرفوع احادیث جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقعہ میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو وہ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوۃ فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں۔ لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور س لیے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو یہاں فرض نہ کہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا لیکن یہ

احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے۔ جن میں صحابی نے اعلانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرامین میں نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے ہیں وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام ہیں۔ گوانہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

---

۱ ازالتہ الخفاص ۶ حصہ دوم

هفتم آنکه مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمانند تا اصل احادیث بآن موقوف خلیفه قوت باید بر اینکه بغور سخن نم رستند دربند انکه در متفق علیه ز حضرت صدیقؓ صحیح نشد مگر شش حدیث و از فاروق اعظمؓ به صحت نرسید مگر قریب بفتاد حدیث ایں رائمی فهمند و نمی دانند که حضرت فاروقؓ تمام علم حدیث را اجمالا تقویت داره اعلا ن نموده ۔ ا .

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص وجستجو اور اشاعت وترویج کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا ہے اگرچہ وہ خود بھی مہتمم بالشان کام تھے لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف سے اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں چونکہ سختیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتماد کس قسم کی احادیث ہیں؟ کیونکہ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل عقیدت کیشوں کے لیے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاھم فالاھم اس بنا پر حضرت عمرؓ نے تمام توجہ ان احادیث

کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جو احادیث ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے تھے اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

با ستفراء تا م معلوم شد که فاروق اعظمؓ نظر دقیق در تفریق میان احادیث که به تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آں مصروف می ساخت لهذا احادیث شمائل آنحضرت صلی الله علیه و آله وسلم و احادیث سنن و زائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد. بدو وجه یکی آنکه اینها از علوم تکلیفیه و تشریعیه نیست، تحمل که چوں اهتمام تام بروایت آں بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد به سنن هدی مشتبه گردد ۔[2]

---

[1] ازالتہ الخفاء حصہ دوم ص ٦

[2] ازالتہ الخفاء حصہ دوم ص ۱۴۱

حضرت عمرؓ نے ان احادیث کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی احادیث کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ دعا کے قبول وعدم قبول کا مدار خلوص وتضرع پر ہے نہ الفاظ پر[1]

سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا وہ احادیث کی تحقیق وتنقید اور فن جرح وتعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایات کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کردی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک کے لیے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو زیادہ پرس و جو نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ قرن اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہوسکتا لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے کہ جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کیے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذ ان کے طور پر کہا کہ اسلام علیکم ابو موسیٰؓ حاضر ہے۔

حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لیے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰؓ کہاں ہیں وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے؟

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابو سعیدؓ نے آ کر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابی کعب نے کہا کہ عمرؓ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور اس کی تصدیق کرنی چاہی [2]۔

[1] ازالتہ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱

[2] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان

میں مذکور ہے۔

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک نان ونفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہیں؟

قران مجید میں ہے کہ:

اسکنو ا ھن من حیث سکنتم

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان نفقہ کا حق ہے یا نہیں؟ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں فاطمہ نے یہ روایت حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے کہا:

لا نترک کتاب اللہ بقول امر اہ لا تدری لعلھا حفظت او نیست

یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں کہ اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

سقط کا مسلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ چنانچہ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

کثرت سے روایت سے روکنا

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی تھی۔

اس لیے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آجکل لوگوں کو اس پر مشکل سے یقین آسکتا ہے۔ اس لیے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کردوں گا۔ علامہ ذہبی جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات لکھتے ہیں۔

---

[1] یہ دونوں روایتیں تذکرہ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں مذکور ہیں۔

وقد کان عمر وجله ان یخطی الصحاب علی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم بمرهم ان یقلوا الروایة ببهم ولئلا یتشاغل بالاحدیث عن القرآن عن فرظته بن کعب قال لما سیدنا عمر الی العراق مشی معنا عمر وقال تدرو کم شیعتکم قالو انعم مکرمة لنا قال ومع ذلک فانکم تاتون اهل قریة لهم دوی بالقرآن ان کدوی النحل فلا تصدوهم بالاحادیث فتشغلوهم جرد و القرآن واقلوا ا الروایة عن رسول الله وانا شریککم فلما قدم قرظته قالوا حدثنا فقال نهانا عمر بن ابی هریرة قلت له کنت تحدث لضر بنی بمخفقته ان عمر حبس ثلثه ان مسعود و ابا الدردا وابا مسعود الانصاری فقال قداکثرتم الحدیث عن رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

”یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا تم کو کو

معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ہماری عزت بڑھانے کو۔ فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے مقام پر جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے۔ تو ان کو احادیث میں نہ پھنسا دینا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرظہ وہا پہنچے تو لوگوں ے کہا کہ حدیث بیان کیجیے۔ انھوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی احادیث اسی طرح روایت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ گر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھ کو درے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ ابو درداءؓ ابو مسعودؓ کو محبوس کیا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت احادیث روایت کرنی شروع کیں۔"

حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے۔ اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں"۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ دارمی کے قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل و عادات کی احادیث مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ احادیث مقصود ہیں جن کے حفظ وضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔[1]

---

[1] ازالتہ اخفاء حصہ دوم ص ۱۴۱

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے

معلوم ہوسکتا ہے۔ مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں' انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں ں ے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا توانہوں نے فرمایا:

لو لا انی کره ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم به

''یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہوجائے تو میں حدیث بیان کرتا''۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اوراس کے رواۃ یہ ہیں محمد بن سعد' عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی' نعمان بن ثابت (یعنی ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ اور ابوالحوتکیہ۔ حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوجاتی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جو مقامات علمی میں حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ خاص تھے' ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے:

یشدد فی الروایة ویز جر تلامذته عن التهاون ضبط الالفاظ ہ ا

''یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں''۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم احادیث روایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ ۲ حضرت عمرؓ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی' علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکرؓ تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ۱۵۰۰ احادیث قلم بند کردی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہ کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی

اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی بنا پر حضرت ابو ہریرہؓ پر اکثر مواخذات کیے ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔

۱؎ تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ

۲؎ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۴ سطر ۳

حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ نتیجہ ضرور ہوا کہ احادیث کم روایت کی گئیں۔ لیکن جس قدر روایت کی گئیں' وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہوگئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نہایت سچ لکھا ہے کہ:

هر چند جميع صحابه عدول اندو روايت همه مقبول و عمل بموجب انچه بروايت صدوق ازيشان ثابت شود لازم اما درميان انچه از حديث و فقه زمن فاروق اعظم بود و انچه بعدوى حادث شده فرق مابين السموات والارض ست ؎ ا

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا ہے وہ اگرچہ رواج عام نہ پا سکتا لیکن محققین صحابہؓ میں یہ خیال بے اثر نہیں رہا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت عام شہرت ہے اور سند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصرح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بد جاتا تھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ لفظ فرمایا تھا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کے مثل۔ ابو درداءؓ اور حضرت انسؓ جو بڑے بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ

میں عبداللہ بن عمرؓ کے اتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے۔ ائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا لیکن انہوں ں ے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں۔[2]

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کیے ان کو اجمالاً یوں بیان یا جا سکتا ہے۔

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۱۴۱

[2] مسند دارمی مطبوعہ نظامی کانپور از ص ۴۵ تا ۴۸

۱۔ روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔

۲۔ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

۳۔ خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجب ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

۴۔ خبر واحد ہمیشہ حجت نہیں ہوتی۔

۵۔ روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضیلات کا تمام صحابہؓ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمانؓ نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ کو جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخس ہے؟ حذیفہؓ نے کہا عمر بن خطابؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک

پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔[1] علامہ ابو اسحاق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرہ میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

ولولا خوف الا طالته لذكرت من فقهه ما يتحير فيه كل فاضل

''یعنی اگر تبویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فتویٰ اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا کہ فضلاء حیران رہ جاتے''۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے۔ لیکن پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جایت ہیں وہ یہ ہیں مکہ مکرمہ مدینہ منورہ بصرہ کوفہ اور شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ مکرمہ کے شیخ عبداللہ بن عباسؓ تھے مدینہ منورہ کے زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر کوفہ کے حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعریؓ شام کے ابودرداءؓ اور معاذ بن جبلؓ ان میں (حضرت علیؓ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کے صحبت سے مستفید ہوئے تھے اور خاص کر عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن مسعودؓ تو ان کے ساختہ پرداختہ تھے۔

---

[1] استیعاب قاضی بن عبدالرداز التہ الخفاء ص ۱۸۵ حصہ دوم

عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی

عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔[1]

عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دام تربیت سے پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔[2] اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جواب کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

محدث عبدالبر نے استعیاب میں لکھا ہے

كان عمر يحب بن عباس و يقربه

یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اوران کو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش آتا تو عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم کم سنی کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں۔ کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباسؓ کے مجتہدات کو حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابتؓ برسوں حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔[3]

صحابہؓ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں چھ شص جن پر علم فقہ کا مدار تھا عمرؓ علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ

ستته من اصحاب النبی صلی الله علیه وآله وسلم یتذکرون الفقه بینهم

علی بن ابی طالب و ابی ا ابو موسیٰ علحدۃ و عمر و زید و ابن مسعود

یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقیہ میں بحث و مذکرہ کرتے تھے۔علیؓ ابیؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ وار حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ اور زیدؓ ایک ساتھ۔

ا؎ استعیاب قاضی بن البر واز الخفاء حصہ اول س ۳۱۹

۲؎ صحیح بخاری ص ۶۱۵ مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ۔

۳؎ فتح المغیث ص ۳۸۱

صفوان بن سلیم کا قول ہے کہ

لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر عمر و علی و معاذ و ابی موسیٰ ؎ ا

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتوے دیتے تھے۔عمرؓ،علیؓ ،معاذؓ،اور ابو موسیؓ امام شعبی کا مقولہ ہے کہ:

کان العلم یوخذ عن ستته من الصحابه ؎ ۲

یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگر تحدید بظاہر مستعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں ج میں حدیث صحیح صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث می کوئی حکم بتصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعہ حکم مستخرج ہوتا ہے' یا حک کی تصریح ہے لیکن اور احایث اس کی معارض ہیں۔ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ

دراصل اسی کا نام ہے۔صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے مستقل فتویٰ دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے۔ اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ چار صاحبوں یعنی عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کا نام لکھ کر کہتے ہیں:

واما غیر ھولاء االربعته فکانو ا یرون دلالة ولکن ما کانوا یمیزون الرکن والشرط من الاداب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار و تقابل الدلائل الا قلیلا کابن عمرو عائشة و زید بن ثابت ؎ ۳

”یعنی ان چار کے سوا باقی وہ لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب سنن اور ارکان وشرائط میں امتیاز وتفریق نہیں کر سکتے تھے اور جہاں احادیث متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہ بجز بعض بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمرؓ، عائشہؓ، زید بن ثابتؓ“۔

۱؎ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبیہ ذکر ابوموسیٰ اشعری۔

۲؎ فتح المستغیث ص ۳۸۱

۳؎ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۷

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ ولگ تھے جو فن حدیث وروایت میں بلند پایہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علیؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبلؓ کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم وروایت کے لیے شام بھیجا تھا لیکن ان کا سنہ ۱۸ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس لیے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ حدیث او چنداں باقی نماند ؎۱۔

عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث فقہ سے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

وزید بن ثابت نیز اکثر متبع اوست

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہؓ جن لوگوں کو فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔[۲] حضرت عمرؓ نے مسائل فقیہہ می جس قدر فکر اور خوض کیا تھا صحابہؓ میں سے کسی نے نہیں کیا۔ انہوں نے آغاز اسلام سےہی فقہ کو مطمع نظر بنالیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتےتھے ۔ یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے بر بر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کہنے سننے کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورۃ نساء کی خیر آیت تیرے لیے کافی ہوسکتی ہے۔[۳]

مشکل مسائل قلم بند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے تھے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی ان کو قلمبند اور زیادہ غور وفکر سے اس میں بھی محو واثبات کیا کرتے۔ پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی گئی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمدؒ نے موطا میں لکھا ہے۔[۴]

---

[۱] ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۸۱

---

[۲] ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۸۳

۳؎ مسند امام احمد بن حنبل

۴؎ موطا امام محمد ص ۳۱۶

دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا

قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

بعض بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش ہی رہی اور کوئی قطعی رائے قائم نہ کر سکے۔ مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجیے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہؓ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو قبو کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ کی رائے ہ لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکرؓ کی رائے ماؤنیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مسئلوں کے تعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے۔ کلالہ دادا کی میراث ربا کی بعض اقسام مسائل فقیہہ کے متعلق ان کو جو کدو کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔

ورثہ کے بیان میں اللہ نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لیے صحابہؓ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثا داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند بار دریافت کیا۔ اس پر تسلی نہی ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہؓ کو جمع کر کے اس مسئلے کو پیش کیا لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تین

چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت‘ کلالہ رباء۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح احادیث کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لیے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکچرا اکابر صحابہؓ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آجاتے تھے اور بارگاہ خافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفسار کرنا

ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ میں ان کے پاس جواب کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں
مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ اور مغیرہ بن شعبہ ب وغیرہ۔

صحابہؓ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا ان کی رائے بھی فتوے کے لیے کافی ہوسکتی تھی تاہم احتیاط کے لیے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کرامؓ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں۔ علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے یک

فیصل نہیں کیا۔شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجتہ اللہ البلاغہ میںؒ لکھتے ہیں:

كـان من سيرة عمر ان كانه يشعر الصحابه ويناظر هم حتى تنكسف الغمه وياتيه الثلج فصار غالب قضاياه و فتاواه متبعة فى مشارق الارض ومغاربها

''حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہؓ سے مشورہ اور مناظرہ دونوں کرتے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی''۔

مسائل اجماعیہ

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں () بیہقی نے اس کی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کیے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے۔حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہر کو مختلف الرائے ہٰں تو آگے چل کر کیا ہوگا؟

غرض ازواج مطہراتؓ کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔اسی طرح جنارہ کی تکبیر کی نسبت صحابہؓمیں بہت اختلاف تھا۔حضرت عمرؓ نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری معمول کا پتہ لگایا جائے۔چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیریں کہی تھیں اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقیہہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیح منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربرہ نے ان کی تقلید کی ہے۔شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

وهم چنیں مجتهدین در رئوس مسائل فقه تابع مذهب فاروق اعظم اندواین قرب هزار مسئله باشد تخمینا ۔ ا

مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مساء منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان کی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

اصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ ار چیز ہے انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئایت کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریح واستنباط کے صول اور ضوابط قرار دیے جس کو آج ک اصول فقہ کا نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھاہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو اقوال منقول ہیں وہ کلیۃ مسئل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس بحث میں حجۃ اللہ البلاغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو فعال اور اقوام مروی ہیں ان کی دو قسمیں۔ ہیں ایک وہ منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ماتکم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنه فانتھو

ا ازالتہ الخفا حصہ دوم ص ۸۴

یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔دوسری وہ جن کو نصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:

انما انا بشر اذ امرتکم بشئی من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشئی من رای فانما ان بشر

"یعنی میں آدمی ہوں اس لیے جب میں دین کی بات کچھ حکم دوں تو اس کو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں"۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادۃ یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرغوبات عرب کے موافق بیان کیں مثلا ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں!۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صحب نظر انکار نہیں کر سکتا۔ اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمرؓ ہیں اب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا اور کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں؟

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز سیا لگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتی منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار اہم ان کو اسلام کے دائرے

سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصو پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک مہات اولاد یعنی لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر بیچی اور خریدی جاتی تھیں۔

ا؎ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۳

حضرت عمرؓ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کی جا سکے اور اللہ نہ کرے وہ کرنا چاہتے تھے تو صحابہؓ کا گروہ ایک لحظہ کے لیے بھی مسند خلافت پر ان کا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ کو اس امتیاز مراتب کی جرات اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے ی تاکید کی۔ قیدیان بدر‘ حجاب‘ ازواج مطہرات‘ نماز بر جنازہ منافق۔ ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق آئی۔ اس تفریق ار امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات کے موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں چنانچہ معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اس کے امام شافعیؒ کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب فوج‘ تعیین

شعار، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی قول وفعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر احاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر احاد[1] (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت کا احتجاج تھا بہت سے اکابر اسی قسم کی احادیث کو درجہ نہیں دیتے تھے کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہوسکتا ہ۔ اما م شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔

[1] اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ یا تواتگر کی حد سے کم ہوں تو وہ بھی خبر احاد میں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے تک اس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر اذن ملاقات، اسقاط جنین، خریداری مکان عباس بن عبدالمطلبؓ تمیم جنابت کے مسئلوں میں انہوں نے عمار بن یسر ابوموسیٰ اشعری مغیرہ بن شعبہ ابی بن کعبؓ کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت قرار نہیں دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے اسی بناء پر وہ خبر احاد سے قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز قرار نہیں دیتے تے۔ فاطمہ بنت قیسؓ نے جن زن مطلقہ کی سکونت وارنقفہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم قرآن کی نص کے مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک دورت کی روایت سے قرآن کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اوران کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات

میں اخبار احاد کو قبول کیا ہے لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ حضرت عمرؓ کے اصول میں رق نہیں حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہیں نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونون صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہوسکتی بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پاسکتا۔

حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالت کو ملحوظ رکھتے تھے اخبار احاد کے متعلق فقہ و محدثین میں سخت اختلاف رائے ہے اورؓی بڑی طویل بحثیں پیدا ہوگئی ہیں لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی لیکن اس موقعہ رپر تنبیہہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرن یا نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اس کی بناء پر صرف تحقیق حق تھی۔ اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جس کو چاہا غلط کہہ دیا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لیے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان جزئیات

کے فیصلہ کرنے کے لیے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد حنبلؒ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے لیکن قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبلؓ ہیں ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذؓ کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا اور اگر قرآن وحدث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کروں گا[1]۔

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ ان کی مراد قیاس تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شریعہ میں اجتہاد کرتے تھے مسند دارمی یہ سند مذکور ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہؓ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید کی حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا ہے قیاس کا وجود نہ تھا[2]۔

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی تھی اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

لفهم الفهم فيما يحتلج فى صدرك ممالم يبلغك فى الكتاب والسنة واعراف الامثال الاشباه ثم قس الامور عند ذلك[3]

"جو چیز تم کو قرآن وحدیث میں نہ ملے اور تم اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور اسکے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو"۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے:

تعدیة الحکم من الاصل الی الفرع لعلة متحدة

۱؎ یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے۔

۲؎ مسند دارمی ص ۳۲

۳؎ یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۴

اصل کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گیہوں جوار وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر پر دو برابر سے زیادہ لو گے تو سود ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گو چند خاص اشیاء کے نام لیے لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بہ چونہ دے اور اس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا سیر بھی ہی لے لیکن اس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لیے مقدم دو شرطیں ہیں:

☆ جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو یعنی اس کے بارے میں کوئی خاص حک موجود نہ ہو۔

☆ مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمرؓ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

مما لم یبلغک فی الکتاب و السنة

دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے:

واعراف الامثال والاشباہ ثم قس الامور

ان مہمات اصول کے سوا حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریح مساء کے اور بہت سے قاعدے مقرر کیے ہیں جو آج ہمارے دلم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیے۔

استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ مسائل فقیہہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں۔اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں لیکن عموماً اختلاف کا ہی سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط واجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مخفلت فیہ اصولوں کو بتفصیل لکھا ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان آئمہ نے صراحتہ وہ اصول بیان کیے تھے امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ میں لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کیے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتہً منقول نہیں بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے

اذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا

استدلال کیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرات فاتحہ نہ کرنا چاہیے کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی۔انہوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے

العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب

یعنی سب کا خالص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کیے گئے ہیں ورنہ ان بزرگوں سے صراحتہً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مساء کے اصول قائم کیے اسی بنا پر ہے اکثر مسائل جو انہوں نے طے کیے صحابہؓ کے مجمع سے بحث و مناظرہ کے بعد کیے تھے۔ اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے۔ اس لیے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے۔ کس کو ناسخ ٹھہرایا جائے اور کس کو منسوخ کس کو عام ٹھہرایا جاے اور کس کو خاص کس کو موقت مانا جائے کس کو موبد۔ اس طرح نسخت خصیص تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے آ کر کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حک دیجیے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔[۱]

اس سے یہ اصول مستنط ہوا کہ سرقہ کے لیے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مال مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک شخص نے بیت المال سے کچھ چرالیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ھی اس بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ۃ ر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے۔ عمرو بن العاصؓ بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے درندے تو پانی نہی پیتے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو رروک دیا کہ نہ بتانا[۲] اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحتہ ہے دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلّف نہیں ہیں ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا۔ حضرت عمرو نے روزہ کھول لیا۔ تھوڑی دیر بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا

الخطب یسیر و قد اجتھدنا

یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔[۳]

---

[۱] موطا امام مالک

---

[۲] موطا امام محمد ص ٦٦

ایسی بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقیہہ کی تعداد

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کیے' ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہؓ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور آئمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مسائل ہی جن میں دیگر صحابہؓ نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ ان یں سے بعض مسائل میں ن میں صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے وہی حق پر ہیں۔ مثلاً تیمّم' جنابت منع تمتع حج طلقات ثلث وغیرہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے دیگر صحابہؓ کا اجتہاد زیدہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکتہ الارا رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظری پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمرؓ کے کمال اور اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکتہ الآرا مسئلہ خمس کا ہے قرآن مجید میں ایک آیت ہے:

واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ و الیتمی والمسکین وابن السبیل (۸/ الانفال : ۴۱)

''جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور پیغمبر کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیوں کے لیے اور

غریبوں کے لیے اور مسافرین کے لیے"۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہ میں دریائے عل کہلاتے تھے۔ نہایت زور کے ساتھ اس آیت خمس پر استدلال کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اگر چہ مصلحتہ بنو ہاشم کو خمس میں سے ایک حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہ تھی کہ بنو ہاشم واقعی حق دار ہیں۔

یہ صرف حضرت علی وعبداللہ بن عباسؓ کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اسی مسئلہ کے قائل تھے۔ اور اپنی کتبوں میں بڑے زور وشور کے ساتھ اس پر استدلال کیا۔

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگوں کو بیان ہے کہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہؒ بھی ذوی القربٰی کے خمس کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کا بھی حصہ جاتا رہا۔

اب ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوۃ کے مصارف بیان کے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما اصدقت للفقراء والمسکین والعملین علیها والمولفته قلوبهم وفی الرقاب والغرمین وفی سبیل الله وابن اسبیل (۹/ توبه : ۶۰)

اس میں زکوۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرر دیے گئے ہیں فقیر، مسکین، زکوۃ وصول کرنے والے مولفتہ القلوب، قیدی، قرض دار اور مسافر۔ ان میں سے جس کو زکوۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ

ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کیے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجودہ بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے کون کم اور کون نہیں اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائے گا کسی کو کم اور کسی کو بالکل نہیں۔ ہی التزام مالا یلزم صرف امام شافعیؒ نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کیے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے۔ اسی طرح خمس کے مصارف جو اللہ تعالیٰ نے بنائے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگس کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کر دیے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر حصہ دیا جائے اب دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ احادیث وروایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

۱۔ ذوی القربیٰ میں سے صرف آپ بنو ہاشم وعبدالمطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنونوفل اور بنو عبدشمس حالانک ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانہ ان واقعات کو علامہ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں کتب حدیث سے بتفصی نقل کیا ہے۔[1]

---

[1] زادالمعاد جلد دوم ص ۱۶۱

---

۲ بنو ہاشم وعبدالمطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن القیمؒ نے زادالمعاد میں لکھا ہے:

ولکن لم یکن یقسمه بینهم علی السوآه بین اغنیانهم و فقرائهم ولا کان یقسمه المیراث بل کن یصرفه فیهم بحسب المصلحته والحاجته فیزوج منهم اغربهم ویقضی منه عن غار مهم ویعطی من فقیر هم کفایته ۔ ا

"لیکن دولت مندوں اور غریبوں کو برابر تقسیم نہیں کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسی کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے مقروضوں کا قرض

ادا فرماتے تھے اور غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے''۔

ان واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ تعمیم نہیں ہے ورنہ بنونوفل اور بنو عبدشمس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصہ دیتے کیونکہ وہ وگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہی ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں ان سے مخالف تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے ھتے کہ خمس کا پورا پانچواں حصہ ذوی القربیٰ کا حق ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم وبیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبداللہ بن عبسؓ وغیرہ کا تو یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحبؒ نے کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ایمنا و نقضی منه عن مغرمنا فابینا الا ان یسلمه لنا وابی ذلک علینا [۲]

''عمر بن الخطابؓ نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ ہم سب ہمارے ہاتھ میں دے دیا جائے حضرت عمرؓ نے اس کو منظور نہ کیا''۔

---

[۱] زادالمعاد جلد ثانی ص ۱۲۶

---

[۲] کتاب الخراج ص ۱۱

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر وعمرؓ نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایہ ہے۔اس کے لیے سن ک روایت کا اعتبار نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔امام شافعیؒ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہی کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے یہ تعین وہ تحدید بالکل ثابت نہیں ہوسکتی۔باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئل کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔اس لیے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔اس وقت مال غنیمت فے انفال بس یہی آمدنیاں تھیں چنانچہ ان می سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا' جس کا ذکر قرآن مجید میں مختلف آیتوں میں ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لیے خالصہ مقرر کیا جاتا ہے۔ذوی القربیٰ کا حق اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔چنانچہ کفار مکہ نے مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذوی القربیٰ کے لیے جو کچھ مقرر تھا وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داروں کے لیے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور گوان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولت مند

اور غنی ہو جائیں تاہم ان کو یہ ہمیشہ ملتی رہے گی ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کرسکتا ہے کہ ایک سچا ربانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا کہ اس کی تمام اولاد کے لیے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے گا ت اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جو خمس کے مدعی تھے ان کا ی بھی مقصد ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ یہ حق قیامت تک کے لیے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے نہی کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہوگا۔

فے کا مسئلہ

ایک اور مہتمم بالشان مسئلہ فے کا ہے یعنی وہ زمین یا جائیداد جس کو مسلمان نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکتہ الآرا ہے کہ صحابہؓ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہی ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسلے کی ایک فرح ہے۔

بڑا خلط مبحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فی کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سبل ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلی عرب میں دستور تھا کہ لڑائی یا فتح میں جو کچھ ہاتھ آتا تھا تمام لڑنے والوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابتدا میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر کی صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونہکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی قائم رہا۔ اس لیے لوگوں کو خیال ہوگیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا تھا جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہوچکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا

کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آ ء ہیں ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ تھے اس لیے ہم زیادہ حقدار ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ وللرسول (۸/الانفال : ۱)

''تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ اللہ اور رسول کی ملک ہے''۔

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم ک تصرف اور اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت لڑنے والوں کا حق خاص ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم ک تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنمت کے مصارف نہیں بیان کیے تھے پھر یہ آیت اتری:

واعلموا انما غنمتم من شی ء فان اللہ خمسه وللرسول ولذی القربی و الیتمی والمسکین وابن السبیل

۱؎ زادالمعاد بن القیم جلد ثانی ص ۱۵۸ کتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

''جان لو کہ کوئی چیز غنیمت میں ہاتھ آئے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور پیغمبر کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے''۔

اس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ کیے جائیں۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذوی القربی ارمساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام نقد واسباب سے متعلق تھے۔ زمین اور جائیداد کے لیے کوئی قاعدہ قرار نہیں پایا تھا۔ غزوہ بنی نضری میں جو سنہ ۵ ھ میں واقع ہوا سورہ حشر کی یہ آیت اتری:

ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القربیٰ فللہ وللرسول والذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل ...... للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ...... الخ

(والذین جائو من بعدھم...... الخ(۵۹/ الحشر : ۷،۸،۱۰)

''یعنی جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے وہ اللہ اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء اور مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں''۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے۔ یہ ہے حقیقت نفل اور فے کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت کو فے کو ایک سمجھا آئمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے شام وعراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ ان کو تقسیم کر دیے جائیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ زبیر ان العوامؓ، بلال بن رباحؓ نے سخت اصرار یا لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ آئے ہیں بہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ والذین جاؤ من بعدھم پڑھ کر فرمایا کہ:

فکانت ھذہ عامتہ لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفی بین ھولاء جمعیا فکیف نقسمہ لھولاء وندع من تخلف بعدھم[1]

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۵ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۴، ۱۵ میں مذکور ہے۔

"تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لیے ہے اور اس بنا پر یہ ممالک
تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ موجودہ لوگوں کو تقسیم کر
دوں اوران لوگوں کو محروم کردوں جو آئندہ پیدا ہوں گے"۔

امام شافعیؒ اوران کے ہم خیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدوں میں تقسی کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقدمات بھی تو فتح ہوئے یہاں تک کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ خاص آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائیداد تھی کیونکہ اس پر چڑھائی نہی ہوء تھی۔ بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت داخل ہیں:

وما فاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شئى قدير (۵۹/ سورة الحشر ٦:)

"یعنی جو کچھ اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس
پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے لیکن اللہ اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا
ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اور جب وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثا اس کے مستحق ہوں گے لیکن حضرت عمرؓ نے باوجود حضرت علیؓ کے طلب وتقضا کے آل نبی کو اس سے محروم

رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اوراب جب کہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ قاب بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں ایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داوٴدؑ زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیر قرآن لکھ کر گزر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی اوراس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داوٴدؑ کے مقبوضہ مما لک کو جو حضرت سلیمانؑ کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مال یا متوفی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے مما لک مقبوضہ یا ان کی جا گیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی ماں اور بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہوگا اس پر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانے میں اس کے مالک نہیں ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفت کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری رہتا اور حسین وعباس ومحمد بن حنیفہ وزینت وغیرہؓ کو جو حضرت علیؓ ک وارث تھے اس کا کچھ حصہ سہام کے پڑتہ سے ملتا بلکہ صرف حضرت امام حسنؓ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؓ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا

اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر کی فتح سے پھرے تو محیصہ بن مسعود الانصاریؓ کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ فدک یہودیوں کے قبضہ می تھا اور اس کا سردار یوشع بن نون نامی ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضی صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضے میں آیا[1]

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوتا تھا بکہ اس آیت کا مصداق ہے کہ

فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب

لیکن کیا جو ممالک صلح سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اسی طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملک خاص سمجھا؟

---

[1] فتوح البلدان بلازری ذکر فدک

البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام رہیں لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مصارف کے لیے مخصوص کرلیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اور اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکرکشی نہیں ہوئی تھی۔ اور اس لیے اس پر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتی مصارف کے لیے خاص کرلیا تھا لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں:

فکان نصف فدک خالصا الرسول الله وکان یصرف ما یاتیه منها الی ابناء

السبیل

"یعنی آدھا فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔" ۱

اور ایک روایت میں ہے:

ان فدک کانت للنبی صلعم فکان ینفق منها و یاکل و یعود علی فقراء بنی هاشم و یزوج ایمهم

"یعنی فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور ان کی بیواؤں سے شادی کرتے تھے"۔

بخاری وغیرہ میں بتصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سال بھر اپنا خرچ اس میں لیتے تھے باقی عام مسلمین کے مصالح میں دے دیتے تھے۔

ان روایتوں میں ظاہر ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوت ہونا ایسا ہ تھا جیسا سلاطین کے لیے کوئی جائیداد خالصہ کردی جاتی ہے۔ اس بنا پر باوجود مخصوص کرنے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہی ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھ یاس اصول سے واقف تھے اور اسی پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ کہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

---

۱ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۹

۲ فتوح البلدان ص ۳۱

عراق اور شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت

ما افاء الله علی رسولہ من اھل القربی فللہ

الخ سے استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہس بلکہ عام وقف ہیں۔ چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس آیتسے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے آیت یہ ہے:

وما افاء الله علی رسول منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء (۵۹/ الحشر : ٦)

''اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) اللہ نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے''۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا

فکانت خالصه لرسول الله صلی الله علیه وآله وسلم

اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل موجود ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ جس طرح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ جاری نہیں ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اس سے متمتع ہوسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بنا پر فدک پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ کہا تھا تو ساتھ ہی یہ الفاظ بھی فرمائے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں اباب الخمس و باب المغازی میں مذکور ہے:

فكان رسول الله ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذا المال ثم ياخذ ما يقى فيجعله فجعل مال الله فعمل رسول الله بذلك حياته ثم توفى الله نبيه صلى الله عليه و آله وسلم فقال ابوبكر انا ولى الرسول فقبضها ابوبكر فعمل فيها بما عمل رسول الله ثم تو فى الله ابابكر فكنت انا ولى ابى بكر فقبضتها سنتين من امارتى اعمل فيها بم عمل رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم وبما عمل فيها ابوبكر

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے باقی کو اللہ کی راہ میں مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل کیا پھر وفات پائی تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے۔ انہوں نے وفات پائی تو میں ابوبکرؓ کا جانشین ہوا پس میں نے دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے''۔

س تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے۔ (جس میں وارا ثت جاتی ہو) اور اس وجہ سے اس یک قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ بتائی۔

حضرت عمر نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ ان کے پاس فدک کے دعوے سے آئے تھے اروانھوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خالصہ میں

تھے اور وقف بھی تھے۔ چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے:

فهذه عامة فی القری کلها

یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصلل یہ ہے کہ فدک واز وجہتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشاء تھا۔ چنانچہ حافظ بن القیمؒ نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

فهو ملک یخالف حکم غیره من المالکین وهذا لنوع من الاموال هو القسم الذی رقع بعده فیه من النزاع ما رقع الی الیوم ولولا اشکال امره علیهم لما طلبت فاطمته بنت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم میراثها من ترکته وظنت انه یورث عنه ماکان ملکاله کسائر المالکن وخفی علیها رضی الله عنها حقیقته الملک الذی لیس مما یورث عنه [1]

---

[1] زاد المعاد جلد دوم ص ۱۶۳

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتدا سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کو اشتباہ ہوا ہے حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا ہے کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل وہی ہوسکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات واخلاق وعادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم کو ہر زمانہ میں ناز کرسکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم وبیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست وحکومت ک امنصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، قوت تقریر، شاعری نسابی، بہادری سپہ گری، آزادی مقد چیزیں تھیں اور ریاست وافسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھا اور عکاظ کے معرکوں سے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی کہ جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ ان کے معمولی جملوں میں آریٹری کا اثر اور برمحل فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمر بن معدی کربؓ کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونہ وہ غیر معمولی تن وتوش کے آدمی تھے اس لیے متحیر ہور کہا کہ اللہ اس ک اور ہمارا خالق ایک ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابوعبیدہؓ نے جب ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ ہاں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔

قوت تقریر

مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زور تقریر و

برجستگی کلام کا اندازہ ہوتا ہے۔

خطبے

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے:

اللھم انی غلیظ فلینی اللھم انی ضعیف فقونی الاوان العرب جمل الف وقد اعطیت خطامتہ الاوانی حاملہ عن المحجتہ

''اے الٰہی! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا''۔

خلافت کے تیسرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کا ی تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ خالد ون ولیدؓ وہاں سے بلا لیے گئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زور تقریر کا اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی کے ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں ایک آگ سی لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے۔ عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا۔ مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے فوج کے سامنے خالدؓ کی معزولی کا عذر کرنا تھا ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے۔ فقہا نے اس سے فقہی مسائل استنباط کیے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۲۳ھ میں جب حج کیا اور آخری حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمرؓ مر جائیں تو

میں طلحہؓ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ واقعہ وہی پر پیش آیا۔ اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہوکر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا۔ ۔عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کی کہ امیر المومنین حج کے مجمع میں تمام قسم کے برے بھلے آدمی جمع ہوتے ہی اگر آپ نے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے۔ مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کر لیجیے گا۔ وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھتے ہیں حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی۔ آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق وانتظار میں مسجد میں پہلے آ کر جمع ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے اس لیے منبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زیدؓ سے مخاطب ہوکر کہا آج عمرؓ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی ہوگی۔ سعیدؓ نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہوسکتی ہے کہ جو انہوں نے پہلے نہیں کی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ ص ۱۰۰۹

اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ انصار کے خیالات حضرت ابوبکرؓ کے جواب بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس عمدگی اور خوبی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہوجاتا ہیکہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیے تھا اور وہی ہوسکتا تھا۔

جن مجمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں، ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا، مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا [1]۔

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے ان میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بن ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے تو دفعتہً رک گئے اور زبان نے یاری نہ کی۔ اس وقت یہ عذر کیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ خطبہ دینے کے لیے تیار ہو کر آتے تھے

اور آئندہ سے میں بھی ایسا کروں گا۔

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی ۔[2] اس نے کہا کہ نکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کو کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی ۔ بخلاف اس کے کہ عام خطبوں میں خطیب جب ممبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اس کے محکوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس تقریر میں بلندی اور زور آ جاتا ہے لیکن ہمارے نزدک اس کی یہ وجہ ہے کہ خطبہ میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولیٹکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت فخر و ادعا قدرتی واقعات کا بیان رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پر پیچ معاملات خطبے می ادا نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے پولٹکل خطبے دیے۔ اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

---

[1] ازالتہ الخفاء حصہ دوم ص ۱۳۵

[2] کتاب البیان والتبیین للجاحظ مطبوعہ مصر ص ۵۰

خطبے کے لیے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لیے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمرؓ میں سب موجود

تھیں آوز بلند اور پر رعب تھی۔ قد اتنا لمبا تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تو معلو ہوتا تھا کہ نبر پر کھڑے ہیں۔اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں خہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیے جائیں ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

انی لا اجد هذا المال یصلحه الاخلال ثلث ان یوخذ بالحق ویعطی بالحق ویمنع من الباطل ولست ادع احدا یظلم احد حتی اضع خده علی الارض واضع قدمی علی خده الاخر حتی یذعن للحق یا ایها الناس ان الله عظیم حقه فوق حق خلقه فقال فیا عظم من حق ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکة والنبیین اربابا الاوانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمة الهدی ههتدی بکم ولا تغلوقا الا ابواب دونهم فیاک قویهم ضعیفهم ۔ ۱

اور ایک خطبے کے چند جملے یہ ہیں:

فانتم مستخلفون فی الارض قاهرون لاهلها قصد نصر الله دینکم فلا تصبح امة مخالفة لدیدنکم الامتان امة مستبعدة للاسلام واهله یتجرون لکم علیهم المونة ولکم المنفعة وامة ینظرون وقائع الله وسطواته فی کل یوم ولیلة قد ملاء الله قلوبهم رعبا قد دهمتهم جنود الله و نزلت بساحتهم مع رفاهة العیش و استقاضته المال و تتابع البعوث وسد الثغور الخ ۔ ۲

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا:

اللهم لا تدعنی فی عمرة ولا تاخذنی علی غرة ولا تجعلنی معم الغافلین ۔ ۳

---

۱ کتاب الخراج صفحہ ۶۷

۲ ازالتہ الخفاء ماخوذ از تاریخ طبری

قوت تحریر

قوت تقریر کے ساتھ ساتھ قوت تحریر میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ ان کے فرامین خطوط دستور العمل توقیعات ہر قسم کی تحریریں آج بھی موجود ہیں جو تحریر جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہیں۔ چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں

ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانهم فاعوذ بالله ان تدركني واياك عمياء مجهولة وضغائن محمولة واهواء متبعة كن من مال الله على حذر و خف الفساق واجعلهم يدايدا ورجلا واذا كنت بين القوم ثائرة يالغلان يالغلان فائما تلك نجوى الشيطان فاضربهم بالسيف حتى يفيوا الى امر الله ويكون دعوتهم الى الاسلام

ایک اور تحریر ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام

اما بعد فان القوة فی العمل ان لا توخروا عمل اليوم فانكم اذا فعلتم ذلك تداركت عليكم الاعمال فلم تدرو ا ايها تاخذون فاضعتم

عمرو بن العاصؓ کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمرؓ نے تاکید کی کہ عمرو بن العاصؓ نے لیت ولعل کیا حضرت عمرؓ نے غصہ میں آ کر زجر و تہدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاصؓ نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریر مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں ان کے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض فقرے یہ ہیں۔:

وقد علمت ان لم يمنعك من ذلك الا ان عمالك عمال السوء اتخذوك كهفا وعندى باذن الله دواء فيه شفاء انى عجبت من كثرة كتبى اليك فى ابطائك بالخراج وكتابك الى بثنيات الطرق عما اسالك فيه فلا تجزع ابا عبدالله ان يوخذ منك الحق و تعطاه فان النهر يخرج الدر

مذاق شاعری

شعروشاعری کی نسبت اگر چہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اور اس کی شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعروشاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہوسکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعراء کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق القیر وانی کتاب العمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں:

وکان من انقد اہ زمانہ للشعر و انفذھم فیہ معرفة ۔ ا

''یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور اداشناس تھے۔''

جاحظ نے کتاب البیاوالتبیین میں لکھا ہے:

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر

یعنی عمر بن خطابؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے''۔۲

نجاشی ایک شاعر تھا جس ن تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا کہ جو فیصلہ انہوں نے دیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعرفہم نہ تھے

اس لیے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے کہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بدزبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ ورنہ شعر کے وقائق ان سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام شعراج کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا۔ امراء القیس زہر نابغہ اور ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس اس کو اشعر الشعراء کہتے تھے۔ اہل عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی تو حضرت عمر نے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے:

۱ے کتاب العمد ذکر اشعار الخلفاء

۲ے کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷

۳ے دیکھو کتاب البیان والتبیین للجاحظ ص ۹۷ و کتاب العمد ہ باب تعرض الشعراء۔

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کے ریمارک

لانہ لا یتبع حوشی الکلام ولا یعاظل من المنطق ولا یقول الا ما یعرف ولا یمتدح الرجل الا بما یکون فیه

”وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش میں رہتا ہے۔اس کے کلام
میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے۔
جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں
ہوتے ہیں“۔

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے

اذا ابتدرت قیس بن غیلان غایة

من المجد من یسبق الیها یسود

ولو کان حمد یخلد الناس لم تمت

ولکن حمد الناس لیس بمخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعری معلوم ہوتا ہے۔اس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا۔حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔

زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو۔اس نے ارشاد کی تعمیل کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا۔اس نے کہا کہ وہ صلہ بھی خوب دیتے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں لیکن جو تم نے دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیے تھے کیا ہوئے اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کیے تھے زمانہ ان کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے بڑھ کر کون جانتا ہے۔ فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

الا سليمان اذ قال الاله له

قم فى البرية فاحد دها عن الفند

لوگوں نے کہا نابغہ کا پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

ا؎ آغانی تذکرہ زہیر

اتيتک عاريا خلقا ثيابى

على خوف تظن بى الظنون

لوگوں نے پھر کہا نابغہ کا پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حلفت فلم اترک لنفسک ريبة

وليس وراء الله للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کے فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے۔ا؎

امراءالقیس کی نسبت ان کی رائے

بایں ہمہ وہ امراالقیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے منکر تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے شعراء کی نسبت انکی رائے پوچھی تو امراءالقیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے:

سابقهم خسف لهم عين الشعر و افتقر عن مغان عور اصح بصر

''وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا''۔

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراءالقیس یمنی تھا اور یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر

مانے جاتے ہیں چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔[2]

شعر کا ذوق

حضرت عمرؓ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے کہ یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعه ثلاث

یمین اونفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کر پڑھا کیے۔ایک دفعہ عبدہ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے۔

والمرء ساع لامر لیس بدرکه

والعیش شح واشفاق و تامیل

اس شعر کو سن کر پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابوقیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کیے۔[3]

---

[1] آغانی تذکرہ نابغہ

[2] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء

[3] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتبیین ص ۹۷،۹۸ میں نقل کی ہیں۔

حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے۔سینکڑوں و ہزاروں شعر یاد تھے۔علمائے ادب کا بیان

ہے کہ ان کے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔
جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، غیرت، شرافت، نفس اور حمیت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بنا پر امرائے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا۔

مومن قبلک بتعلم الشعر فانه یدل علی مکانی الاخلاق و صواب الرای و معرفة الانساب

"لوگوں کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف رستہ دکھاتے ہیں"۔

اشعار کا تعلیم میں داخل کرنا

تمام اضلاع کو جو حکم بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ تھے:

علموا اولادکم العوم والقروسیة و رووهم ماسار من المثل و حسن الشعر ۔ ا

"اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے شعر یاد کراؤ"۔

شاعری کی اصلاح

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیے۔ اس وقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے۔ اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔

۱ ازالۃ الخفاء ص ۱۹۳

لطیفہ

بنوالعجلان ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی۔انہوں نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی۔حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟انہوں نے یہ شعر پڑھا:

اذا اللہ عادی اھل لوم ورقۃ فعادی بن العجلان رھط ابن مقبل

''اللہ اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجان کو بھی دشمن رکھے''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں یہ تو بددعا ہے اور ممکن ہے کہ اللہ اس کو قبول نہ کرے۔ انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قبیلتھم لا یغدرون بذمۃ ولا یظلمون الناس حبۃ خردل

''یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش میرا خاندان ایسا ہی ہوتا حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الا عشیۃ اذا صدر الوراد عن کل منھل

''یہ لوگ چشمے یا کنویں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں جب اور لوگ واپس آچکتے ہیں''۔

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے۔حضرت عمرؓ نے یہ شعر سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے۔انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

وماسمی العجلان الا لقولھم خذ القعب واحلب ایھا العبد و اعجل

''اس کا نام جلان اس لے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ اے او

غلام پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوھ لا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا

سید القوم خادمھم

علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام ونسبت یادرکھنا حضرت عمر کا خانہ زاد علم تھا یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے۔حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

عبرانی زبان سے واقفیت

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام کرنا پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لیے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے۔صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

کان اھل الکتاب یقرون التوراۃ بالعبرانیہ و یفسرونھا بالعربیۃ لا ھل الاسلام ۔ ا

''یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے

لیے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے"۔

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اوراس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔۲

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ بھی اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔۳

حضرت عمرؓ کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کے بے ہودہ افسانوں اور قصوں سے ان کو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام وعراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

---

۱ صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ ص ۱۰۹۴

۲ مسند دارمی مطبوع کانپور ص ۶۲

۳ کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول ص ۲۳۳

ذہانت وطباعی

ان کی ذہانت وطباعی کا صحیح اندازہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہوسکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گزر چکا ہے لیکن ان کی معمولی سے معمولی بات بھی ذہانت وطباعی سے خالی نہیں

ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم تین مثالیں نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ وہ رعب وداب اور سیاست کے آدمی ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا ہوں لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے:[1]

یـنرید ان تمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثین (۲/۱ القصص : ۵)

''ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں''۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ الٰہی مجھ کو فتنوں سے بچا فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو آل واولاد نہ دے[2]۔ (قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آل واولاد کو فتنہ کہا ہے)

انما اموالکم واولادکم فتنه

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اس کی یہ غرض تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

هو الذی یسیرکم فی البر و البحر

''وہ (اللہ) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے''۔

حکیمانہ مقولے

ان کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ پر کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کیے جاتے ہیں:

---

[1] تاریخ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ

''جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے''۔

اتقوا من تبغضہ قلوبکم

''جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو''۔

اعقل الناس اعذرھم للناس

''سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاول کر سکتا ہو''۔

لا توخر عمل یومک الی غدک

''آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھو''۔

ابت الدارھم اا ان یخرج اعناقھاما ادبر شء فاقبل من لم یعرف الشر یقع فیہ

''روپے سر اونچا کیے بغیر نہیں رہتے۔ جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھی۔ جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہوگا''۔

ما اسلنی رجل التبیین لی فی عقلۃ

''جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے''۔

واعظ سے خطاب کر کے

لا یلھک الناس عن نفسک اقلل من الدنیا تعش حرا ترک الخطیۃ اسھل من معالجۃ التوبۃ لی علی کل خائن امینان الماء و الطین

''لوگوں کی فکر میں تم اپنے تیئں بھول نہ جانا۔ دنیا تھوڑی سی لوتو آزادانہ بسر کر سکو گے۔ توبہ کی تکلیف سے گناہ چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔ ہر بددیانت پر میرے دو دارو غے متین ہیں آب وگل''۔

لو ان الصبر و الشکر بگیر ان ما بالیت علی ایھما رکبت

''اگر صبر وشکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں کس پر سوار نہ ہوں''۔

رحم اللہ امر اھدی الی عیوبی

''اللہ اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے ہیں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)۔''

صاحب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب عمرؓ کسی معاملہ میں ہ کہتے تھے کہ میرا اس نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا گمان ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ اصابت رائے کی دلیل کیا ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں ذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں۔

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لیے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں کسی نے ناقوس کا نام لیا' کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی موثر اور موزوں طریقہ نہی ہوسکتا تھا۔

اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے جو رائے دی وحی اس کے موافق آئی۔

ازواجؑ مطہرات کا پردہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں حضرت عمرؓ کو اس پر بار ہا خیال ہوا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے۔ چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافقوں پرنماز جنازہ

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا جب مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلق نبوی کی بنا پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے تعجبانہ عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔اس پر یہ آیت اتری

ولا تصل علی احدمنهم

یہ تمام واقعات صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمر

حضرت عمرؓ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون ومرتب ہوا ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی۔تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہؓ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعو پر عموماً حضرت عمرؓ کی رائیں صائب نکلیں۔ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہؓ متفق الرائے تھے کہ

فوج کو تقسیم کر دیے جائیں۔[1] ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں۔ حضرت ابوبکر و حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا۔ حضرت عمرؓ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمرؓ کی رائے

خلاف کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بار گراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام میں غور اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ

لا یعجبنکم من الرجل طنطنته

''یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کے دھوکے میں نہ آؤ''۔

اکثر کہا کرتے تھے کہ:

ل تنظرو الی صلوة ولا صیامه ولکن انظر و الی عقله و صدقه

''یعنی آدمی کی نماز و روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو''۔

---

[1] قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں: ان عمر بن

الخطاب استشار الناس فی الواد حسین افتح فراعی عامتھم ان یقسمہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جماعۃ المسلمین ارادو عمر بن الخطاب ان یقسم الشام الخ کتاب مذکور ص ۱۵

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی۔ فرمایا کہ تم نے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا کسی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں[۱]۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں کو یہی ہوئی تھی کہ اکثر محدثین جس شخص کو ظاہر میں زاہد و پارسا دیکھتے تھے۔ ثقہ سمجھ کو اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الراویہ شخص تھا اس سے امام مالکؒ نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:

غرنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد [۲]

''یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ کیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا''۔

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے فرصت کم ملتی تھی۔ اس لیے عبادات کا وقت رات کو مقرر کر لیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے تھے۔ جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے۔

وامر اھلک بالصلوۃ [۳]

فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے۔ عبداللہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۃ یوسف اور سورہ حج پڑھی تھی یونس کہف اور ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔

نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضرور کام آپڑتا اور وت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کام کو انجام دیتے۔ ایک دفعہ اقامت ہوچکی تھی اور صفیں درست ہوچکی تھیں کہ ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ دوہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔[۲] فرمایا کرتےتھے کہ کھانے سے فارغ ہولو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے۔ کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں۔

---

[۱] یہ قول ازالتہ الخفاء حصہ دوم ص ۱۹۷ میں نقل کیا ہے۔

[۲] فتح المغیث ص ۱۲۸۔

[۳] موطا امام مالک

[۴] ازالتہ الخفاء بحوالہ مصنف بن ابی شیبہ ص ۹۰

ایک اور روایت ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب لیا[۱]۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ آیت

فلیعبدوا رب ھذا البیت

آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ نماز مین اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔[۲] بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے ھتے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہوگئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کردیا ھتا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو

کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

روزہ

ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کیے تھے لیکن انہی کی روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدھر ہے تو اس کے مارنے کے لیے درہ اٹھایا[۳]۔

حج

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے وار ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابوموسیٰ تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہر جگہ وجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ے کہ برابر ابر چھوٹ جائیں یعنی نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب۔ ابوموسیٰؓ نے کہا نہیں میں تو اس پر ہرگز راضی نہیں۔ ہم نے بہت سی نیکیاں ی ہیں اور ہم کو بہت امید ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

[۱] ازالتہ الخفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۳

[۲] ازالتہ الخفاء حصہ دوم ص ۹۵

[۳] ازالتہ الخفاء صفحہ ۱۰۲

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم

اصلی الصلوة کلھا واصوم

''میں نے اپنی جان پر ظلم کیے ہیں ہاں اتنا ہے کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں روزے رکھتا ہوں''۔

بے تعصبی

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشفہ نہ تھے اور آج ک کے مقدس لوگوں کی طرح تعصب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علماء عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاری اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے:

تو ضاعمر من ماء فی جر نصرانیه [1]

بغوی نے روایت اس سے زیادہ صاف ہے

تو ضاعمر من ماء فی جر نصرانیة

یعنی حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ اور حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اس کو کھاؤ [2]۔ عیسائیوں کا کھانا آج کل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گزر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں۔ آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے ک تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہیں بھوے۔ چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری اور کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس امر کو حضرت عمرؓ کے محاسن وفضائل میں شمار کیا کہ وہ اہ لذمہ (یعنی عیساء اور یہوودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کے خاص الفاظ یہ ہیں وازاں جمہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود۔ [3]

محبّ طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے افسروں کو عیسائیوں کو ملازم رکھنے

سے منع کرتے تھے۔ افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے لیکن جس شخص نے محبّ طبری کی کتاب (ریاض السفرہ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان کی روایتوں کا کیا پایہ ہے۔

۱؎ ازالۃ الخفاء جلد دوم ص ۸۸

۲؎ ازالۃ الخفاء جلد دوم ص ۷۳

۳؎ ازالۃ الخفاء جلد دوم ص ۷۳

ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق، مصر اور شام کا دفتر مالگزاری جس قدر تھا اس میں سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اس وجہ سے دفتر مال گزاری کے تمام عمال مجوسی یا عیساء تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمرؓ تو فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منسورہ میں طلب کیا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں:

ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا

"ہمارے پاس ایک رومی کو بھیج دو جو فرائض کے حساب کو درست کر دے"۔

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ مکرمہ میں نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ مکرمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔۱؎

آج کل یورپ والے جو اسلام کو تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں ہے اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے

آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

علمی صحبتیں

حضرت عمرؓ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ایک دن اصحاب بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک تھے) مجلس میں جمع تھے۔ حضرت عمرؓ نے مجمع پر نظر ڈال اور کہا کہ:

اذا جاء نصر اللہ و الفتح (۱۱۰/النصر: ۱)

سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم اللہ کا شکر بجالائیں بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح و نصرت آ چکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے۔ اس لیے تو اللہ کی حمد اور گناہ کی معافی مانگ بے شبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے۔[۲]

---

[۱] کتاب الخراج ص ۷۸، ۷۹

[۲] صحیح بخاری تفسیر اذا جاء

ایک اور دن صحابہؓ کا مجمع تھا۔ عبداللہ بن عباسؓ بھی شریک تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس آیت کے معنی پوچھے

ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ

لوگوں نے کہا اللہ زیادہ جانتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس لاحاصل جواب پر غصہ آیا اور کہا کہ انہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ نہیں معلوم عبداللہ بن عباسؓ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکا اور کہا کہ صاحبزادے اپنے آپ کو

حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیا کرو۔عبداللہ بن عباسؓ نے کہ اللہ تعالیٰ نے ای کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے ۔ چونکہ جو ایک ناتمام تھا۔حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو اللہ نے دولت ونعمت دی کہ اللہ کی بندگی بجالائے لیکن اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال برباد کردیے[1]۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اوراس جرم میں ماخوذ ہوکر حجرت عمرؓ کے سامنے آئے۔حضرت عمرؓ نے سزادینی چاہہ۔انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہوسکتے پھر یہ آیت

لیس علی الذین آمنوا وعلمو الصلحت جناح فیما طعموا

''یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے انہوں نے جو کچھ کمایا پیا ان پر الزام نہیں''۔

استدلال میں پیش کرکے کہا کہ بدر حدیبیہ' خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔اس لیے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کیے۔حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا۔عبداللہ بن عباسؓ بولے یہ معافی پچھلے زمانے کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں ے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی ان کے اوراعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے[2]۔

یا ایھا الذین آمنو انما الخمر و المیسرو الانصاب و اازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ (۵/المائدہ : ۹۰)

---

[1] صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ ص ۶۵۱

[2] ازالۃ الخفاء بحوالہ روایت حاکم ص ۲۱۳

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم وفضل ہوتے تھے۔ اوراس میں وہ نوعمر اورمعمروں کی تمیزنہیں کرتے تھےصحیح بخاری میں ہے[1]۔

وکان القراء اصحاب المجالس عمر و مشاورة کھولا کانو ا او شابا

''یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان''۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جومنقح ہوااور جوفقہ عمری کہلاتا ہے انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ،عبداللہ بن مسعودؓ،عبداللہ بن عباسؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اورحر بن قیسؓ وغیرہ تھے حضرت عمرؓان تمام لوگوں کوعلمی فضیلت ی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو بازیابی کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھرن سے قریب رتبہ والے وعلی ہذا لیکن کبھیکبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی تھی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لیے ہوتا جوعلم کی فضٰلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ کوقدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا۔تاہم یہ حکم تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں یعنی جو کچھ کہنا ہوسب کے بعد کہیں[2]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جولوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے تھے۔حضرت عمرؓان کوہم تدلاتے اورفرماتے علم سن کی کمی اورزیادتی پرنہیں ہے[3]۔عبداللہ بن عباسؓ اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ان کی شرکت پربعض اکابرصحابہ نے شکایت کی کہ حضرت عمرؓ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی اورایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجزعبداللہ بن عباسؓ کے اورکسی شخص نے نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی بہت قدر کرتے تھے۔۲۱ھ مین جب ان کوکوفہ کا مفتی اورافسرخزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کولکھا کہ میں ان کومعلم اوروزیر مقرر کرکے بھیجتا ہوں اورمیں نے تم لوگوں کو اپنے آپ رترجیح دی ہے کہ ان کواپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی سئلہ کو

عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا:

کنیف ملی علما

''ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے''۔

۱؎ صحیح بخاری جلد دوم ص ۶۶۹ بغوی نے ذ زہری سے روایت کی ہے کہ کان مجلس عمر مقتصا فی القراء (ازالۃ الخفاء ص ۱۱۹)

۲؎ فتح الباری شرح بخاری تفسیر از اجاء نصر اللہ

۳؎ ازالۃ الخفاء بحوالہ بغوی ص ۱۱۹

اگرچہ فضل وکمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص ان کا ہم سر نہ تھا۔ تاہم اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ جس طرح خورد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے ابیؓ نے جب انتقال فرمایا تو کہا آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔ زید بن ثابتؓ کو اپنی غیبت میں اکثر جانشین کہتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو عطا کرتے تھے۱؎ اسی طرح ابوعبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، عمیر بن سعدؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، سالمؓ ابودرداءؓ، اور عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔

بہت سے صحابہؓ جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کیے گئے تھے کہ وہ فضل وکمال میں ممتاز ہیں ابوذرغفاریؓ جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بناء پر کہ وہ فضل وکمال میں اور لوگوں میں کم نہیں۔

اہل کمال کی قدردانی

ان کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر کیا تھا کہ وہ پر

خطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے تھے[2] خارجہ بن حزافہ اور عثمان بن ابی العاصؓ کے وظیفے اس بنا پر مقرر کیے تھے کہ خارجہؓ بہادر اور عثمانؓ نہایت فیاض تھے۔[3]

لطیفہ

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہؓ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں ان کے وہ اشعار جو انہوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہؓ نے پہلے اغلب عجلی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی اس نے یہ شعر پڑھا

لقد طلبت هنيا موجودا ارجزا تريد امم قصيدا

''تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی بولو قصیدہ چاہتے ہو یا رجز''۔

---

[1] سیرۃ العمرین ابن الجوزی

[2] فتوح البلدان ص ۴۵۶

[3] کنز العمال جلد دوم ص ۳۱۷

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا وہ سورہ بقرہ لکھ کر لائے اور اللہ نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیرہؓ وغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانچ سو کا اضافہ کر دو۔ اغلب نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اس زمانہ میں جس قدر اہل کمال تھے مثلاً شعراء خطباء نساب پہلوان اور بہادر سب ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدر دانی کے مشکور ہوئے۔ اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر مستمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابو بکرؓ کے زمانے میں حضرت خالدؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ

نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا کہ ہمیشہ رویا اور مرثیے کہا کرتا۔ جس طرف نکل جاتا زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے اخیر شعر یہ تھے:

وکنا کندمانی جذیمته حقبته من الدھر حتی قیل لن یتصدعا فلما تفرقنا کانی ومالاً طول اجتماع لم بنت لیلة معا

"ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کی ندیموں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب یہ جدا نہ ہوں گے پھر ہم دونوں جدا ہو گئے اور گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی۔"

حضرت عمرؓ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی یزید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا امیر المومنین اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتا کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساؓ تھی۔ اس کا دیوان آج بھی موجود ہے۔ جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساءؓ کا مثل پیدا نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا۔ پاس جا کر تعزیت و تسلی کی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدی کربؓ تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا اور قادسیہ

کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدی کربؓ پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے۔ حضرت عمرؓ اکثر ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کیے اور معدی کربؓ نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر و اربلیغ فقروں میں جواب دیے اس کو اہل ادب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں بتفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا:

اخوک وربما خانک

یعنی تیرا بھائی ہے لیکن پھر کبھی دغا دے جاتا ہے

تیروں کی نسبت پوچھا تو:

بردالمنا یا تخطی و تصیب

"عنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بہک جاتے ہیں"۔

ڈھال کی نسبت کہا:

علیہ تدور الدوائر

اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کیے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قبائل کے آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا اور حضرت عمرؓ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لیے۔

متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جن صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب میں قریب بنوامیہ تھے پھر بنوعبدالشمس و بنونوفل پھر عبدالعزی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنوعدی پانچویں نمبر پر پڑتا تھا۔ چانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسینؓ اگرچہ اس گروہ میں شریک نہ تھے لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہؓ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[1]

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں (جیسا کہ ہم پہلے اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ الزہراؓ کا انتقال ہو چکا تھا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں کیونکہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔[2]

لیکن رفتہ رفتہ حضرت علیؓ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہوگئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن

انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحاد ویگانگت کا اخیری مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثومؓ کو جو فاطمہ الزہرؓا کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اخلاق وعادات تواضع وسادگی

ان کے اخلاق وعادات کے بیان میں مورخوں نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ اور درحقیقت ان کی عظمت وشان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم وشام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر وکسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالدؓ وامیر معاویہؓ سے باز پرس ہے، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عمرو بن العاصؓ کے نام احکام لکھے جارہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے۔ سر پر پھٹا عمامہ ہے۔ پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لیے جارہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں۔ اس لیے کہ کام کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔[3]

---

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج ص ۲۴، ۲۵ میں ہے۔

[2] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراھیۃ لحضر عمر۔

[3] کتاب مذکور ص ۳۸۷ باب الزہد

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑے رہے۔ ابن سعدؒ کی روایت ہیکہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس میں کم وبیش ۱۰ آنے ہوتے ہیں ایک دفعہ احف بن قس رؤسائے عرب کے ساتھ ان کے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے ادھر ادھر پھر رہے ہیں احنف کو دیکھ کر کہا کہ آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے

غریبوں کا حق شامل ہے۔ایک شخص نے کہا امیر المومنین آپ کیوں تکیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حک دیجیے وہ ڈھونڈ لائے گا فرمایا

ای عبد اعبد منی

''یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے''۔

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لیے سواری سے اترے۔اسلم ان کا غلام بھی اساتھ تھا۔فارغ ہو کر آئے (بھول کر یا کسی مصلحت سے) ااسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ادھر اہ شام استقبال کو آ رہے ہیں جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتے تھے۔لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں شان وشوکت دھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایک دفعہ خطبہ میں کہا صاحبو ایک زمانے میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کر پانی بھر کر لا دیا کرت اھتا۔وہ اس کے صلے میں مجھ کو چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا اس کی دوا تھی۔

۲۳ھ میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آ گیا تھا سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی گزرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ان کا بیان ہیکہ حضرت عمرؓ جب ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اس کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یا اللہ ی میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے اور قویٰ کمزور ہو گئے ہیں اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔[1]

---

[1] موطا امام محمد ص ۳۰۴

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ تھی۔ کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ اک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات کو بھر اشعار پڑھوایا کیے۔ جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک ایک دفعہ حج میں حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ساتھ تھے عبداللہ ابن زبیرؓ اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہ کرتے تھے اور حظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمرؓ اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ نہ بھڑ کنے پائیں لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی۔ وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رکے لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی ظاہر نہ کی تو رباح نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ بھی سنتے رہے جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ بس اللہ کے ذکر کا وقت ہے[1]۔ فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زادراہ ہے[2]۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا۔ ابوعبیدہؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی ہمرکاب تھے لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں۔ چنانچہ انہوں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا[3]۔

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقعہ ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ مجسم قہر تھے لیکن اسلام کے بعد بھی دتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا' ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لیے اگر ابوالبختری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابوحذیفہؓ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے بھائی سے درگزر نہیں

کرتے تو بنو ہاشم سے کیا خصوصیت ہے؟ واللہ اگر عباسؓ مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی یہ گستاخی ناگوار گزری۔ حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابوحفص (حضرت عمرؓ کی کنیت تھی) دیکھتے ہو عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟

۱؎ ازالۃ الخفاء ص ۲۰۶

۲؎ ازالۃ الخفاء ص ۱۹۸

۳؎ ازالۃ الخؤفاء بحوالہ ابوعمر ص ۲۰۸

حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجیے میں اس کا سر اڑا دوں حضرت حذیفہؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جمہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں یا۔

حاطب بن بلتعہؓ ایک معرز صحابی تھے۔ اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی یہ راز کھل گیا۔ حضرت عمرؓ برافروختہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے مجھ کو اجازت دیجیے کہ اس کو قت ل کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن الخطاب تجھ کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو میں سب کو معاف کر دوں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گستاخانہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدل اختیار کر حضرت عمرؓ غصے سے بے تاب ہو گئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا۔

ان واقعات سے اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکل پڑتی تھی وار کافر تو کافر خود مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک کیا تھا لیکن اسلام کی برکت اور عمرؓ کے انحطاط اور

خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمد لی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے۔

آل واولاد کے ساتھ محبت

ان کی خانگی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہوئے ہیں قرائن سے اس قدر ثبت ہے کہ وہ ازواج واولاد یک بہت دلدادہ نہ تھے۔ اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا۔ جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہیے نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں باب اللباس میں خود ان کا قول مذکر ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھ کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم ان معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپن بیبوی کو سخت کہا انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اس پر کہا کہ اب تمہارا یہ رتبہ پہنچا۔ وہ بولیں کہ تمہاری بیٹ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوبدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھی ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم بھی سن صغیر میں ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے جمیلہ کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تھا اور حضرت عمرؓ قباء سے جہاں پہلے رہا کرتے تھے اٹھ کر مدینے میں آ گئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو پکڑا اور اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی تو وہ آ کر مزاحم ہوئیں کہ یہ میرا لڑکا ہے میں اسے اپنے ساتھ رکھوں گی۔ جھگڑا طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دیا اور اوہ اس لیے مجبور رہ گئے۔ یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مزکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا کہ جیسا کہ اور بزرگوں کا تھا اولاد اور اہ خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔

البتہ زیدؓ سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی ۔ چنانچہ وہ جب یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زیدؓ کی خوشبو آتی ہے۔عرب کا مشہور مرثیہ گوشاعر متمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آیا تو فرمایش کی کہ زیدؓ کا مرثیہ کہو مجھ کو تم سا کہنا نہیں آتا تو میں خود کہتا۔

مسکن

حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی میں آ کر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے تین میل ہے لیکن خلافت کے بعد غالبًا وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ رہے۔ یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کو خریدا اور زر قیمت س قرض ادا کیا گیا۔اس لیے یہ مکان مدت تک دارالقضاء کے نام سے مشہور رہا[1]۔

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذ ان سے لاعلمی کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید وفروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتیتھیں ۔ قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں پہنچ کر ابوبکرؓ و عمرؓ کا جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو جو معرکہ میں شریک ہوئے تقسیم کر دیا۔

---

[1] دیکھو خلاصۃ الوفاقی اخبار دارالمصطفی مطبوعہ مصر ص ۱۲۹، ۱۷۹ اوحاشیہ موطا امام محمد ص ۲۷۲

جاگیر

حضرت عمرؓ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلم بند کرا دیے تھے۔ یہودی بنی حارثہ سے بھ یان کو ایک زمین ہاتھ آئی تھی اور اس کا نام ثمغ تھا لیکن انہوں نے یہ دونوں زمینیں اللہ کی راہ پر وقف کر دیں[1] خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں یہ زمین نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی، نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقرأ ذوی القربیٰ، غلام مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس کے بعد انہوں نے صحابہؓ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لیے درخواست کی۔ اس پر حضرت علیؓ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہوگئی کہ جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو۔ سنہ ۱۵ھ میں جب تمام لوگ کے روز ینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہؓ کے ساتھ ان کے پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اس کا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں باب المزارعۃ میں یہ واقع بتصریح موجود ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھ معمولی روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی

ہوتی ھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کرلیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دستر خوان پر ہوتی تھیں اوری ہ وہ ہوتی تھیں گوشت روغن زیتون دودھ ترکاری اور سرکہ۔ مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی بہت معمولی تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

ا؎ خلاصتہ الوفا لفظ ثمغ

سادگی و بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کررہے تھے۔ معلوم ہوا کہ کپڑے پہننے کو نہ تھے۔ اس لیے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔ لیکن ان تمام باتوں سے یہ خیال نہیں خرنا چاہیے کہ وہ رہبانیت اور تقشّف کو پسند کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان کو ملنے آیا کہ لباس فاخرہ زیب تن تھا اور بالوں میں کوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے ار وہ پڑے اترواکر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدی کو نہ پراگندہ ہو کر رہنا چاہے نہ پٹیاں جمانی چاہئیں۔ حاصل یہ ہے کہ وہ بے ہودہ تکلفات و آرائش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا کہ رنگ گندم گوں قد نہایت لانبا' یہاں تک کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تو ان کا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت' گھنی ڈاڑھی' مونچھی بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جونئی باتیں ایجاد کیں ان کو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات[1] سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول بآخر نسبتے وارد۔

---

[1] اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابن ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہے۔

۱۔ بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا

۲۔ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر ہوئے۔

۳۔ تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

۴۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

۵۔ فوجی دفتر ترتیب دیا۔

۶۔ والیسیر وں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۷۔ دفتر مال قائم کیا۔

۸۔ پیمائش جاری کی۔

۹۔ مردم شماری کرائی۔

۱۰۔ نہریں کھدوائیں۔

۱۱۔ شہر آباد کرائے یعنی کوفہ بصرہ جیزہ فسطاط اور موصل۔

۱۲۔ ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

۱۳۔ عشور یعنی وہ یکی مقرر کی اس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیے۔

۱۵۔ حربی تاجروں کو ملک میں آنے ارتجارت رنے کی اجازت دی۔

۱۶۔ جیل خانہ قائم کیا۔

۱۷۔ درہ کا استعمال کیا۔

۱۸۔ راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت کا حال کا طریقہ نکالا۔

۱۹۔ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

۲۰۔ جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

۲۱۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت عرب میں نہ تھے۔

۲۲۔ پرچہ نویس مقرر کیے۔

۲۳۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے۔

۲۴۔ راہ میں پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔

۲۵۔ مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

۲۶۔ یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔

۲۷۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔

۲۸۔ مکاتب قائم کیے۔

۲۹۔ معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کیے۔

۳۰۔ حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

۳۱۔ قیاس کا اصول قائم کیا۔

۳۲۔ فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

۳۳۔ فجر کی اذان میں اصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا چنانچہ موطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

۳۴۔ نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

۳۵۔ تین طلاقوں کو ایک ساتھ دیجائیں طلاق بائن قرار دیا۔

۳۶۔ شراب کی حد کے لیے اسی کوڑے مقرر کیے۔

۳۷۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی۔

۳۸۔ بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوۃ مقرر کی۔

۳۹۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

۴۰۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرادیا۔

۴۱۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ چنانچہ ان کی اجازت سے تمیم داریؓ نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

۴۲۔ اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۴۳۔ مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

۴۴۔ ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

۴۵۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔ ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔

ازواج واولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت واسلام میں متعدد نکاح کیے۔ پہلا نکاح عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینت کے ساتھ ہوا عثمان بن مظعونؓ سابقین صحابہ میں تھے یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا

چودھواں نمبر تھا سنہ ۲ھ میں وفات پاء اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہؓ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینبؓ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ میں مریں۔ حضرت عبداللہؓ اور حضرت حفصہؓ انہیں کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبۃ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مبارک ام سلمہؓ کی بہن تھیں چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ٦ ھ میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت حبرول الخزاعی تھیں۔ ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائی اور اس وجہ سے سنہ ٦ ھ میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبداللہؓ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینت اور قریبہ قریش کے خاندان اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں مدینہ منورہ آ کر انصار میں قرابت پیدا کی یعنی ۷ھ میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ ان کی بیٹی جمیلہؓ سے نکاح کیا جمیلہؓ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر نام جمیلہ رکا لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب حضرت علیؓ سے حضرت ام کلثومؓ کے لیے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثومؓ کی صغرسنی کے سبب انکار کر دیا لیکن جب حضرت عمرؓ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب حضرت علیؓ نے منظور فرمایا اور سنے ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا[1]

---

[1] حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کی تزوج کا واقعہ معتمد مورخوں نے بتفصیل لکھا ہے۔ علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں ابن حبان نے کتاب

الشفقاہ میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن ثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھی لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تفریق کی ہے۔ علامہ طبری و ابن حبان اور ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گزری ہیں اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لیے اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ میں وہ خاص عبارتیں موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات بن حبان ذکر خلافۃ عمر واقعات سنہ ۱۷ھ میں ہے ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ معارف بن قتیبہ ذکر اولاد میں ہے کہ وفاطمۃ وزید وامھا ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسد الغبہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر میں جہاں ام کلثومؓ کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جا بجا تصریح کی ہے جس کو ہم تطویل کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھیں یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخز ومی فلیکھۃ یمینہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن کفیل عاتکہ حضرت عمرؓ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبداللہؓ سے ہوا تھا اور چونکہ عاتکہ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے۔ عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے ان کا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فالیت لا تنفک عینی حزینة علیک و لا ینفک جلدی اغبرا

''میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہے گی

اور بدن خاک آلودہ رہے گا''۔

حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۲ھ میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علیؓ شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں حضرت حفصہؓ اس لیے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح خنیس بن حذافہؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ سنہ ۳ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ ان سے بہت سی احادیث اور بہت سے صحابہؓ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ سنہ ۴۵ھ میں ۶۳ برس ک عمر پا کر انتقال کیا۔

اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں: عداللہ، عبید اللہ، عاصم، ابوشحمہ، عبدالرحمٰن، زید، مجیران میں سے تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہؓ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم مین ان یک مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے دفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بے باک تھے۔

کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثومؓ کا ذکر آ گیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ عورتوں کا چادریں تقسیم کیں ایک بچ

رہی۔اس کی نسبت ان کو تردد تھا کہ کس کو دی جائے۔ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعط ہذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التی عندک یریدون ام کلثومؓ (صحیح

ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو یکر کہا یہ اللہ کا دشمن ہے کیونکہ اس نے اللہ کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ اسی کے انتقام مین حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے ان کو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی ۔علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے اپنا معاملہ حکم میں دیا تو لوگوں ے حضرت عبداللہؓ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔آپ امادہ ہو جایئے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبداللہ

حضرت عبداللہؓ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں محسوب ہیں جن پر حدیث وفقہ کا مدار ہے اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہا کے نام یہ ہیں خارجہ بن زید' عروۃ بن الزبیر' سلیمان بن یسار' عبیداللہ بن عبداللہ' سعید بن المسیب' قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں۔یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک نافع عبداللہ بن عمرؓ ہوں دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری سالم اور عبداللہ بن عمرؓ ہوں ۔امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں۔عبداللہؓ ان کے بیٹے اور سالمؓ پوتے اور نافعؒ غلام تھے۔

عبید اللہؓ

حضرت عمر کے دوسرے بیٹے عبید اللہؓ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور ہیں۔

عاصم

تیسرے بیٹے عاصؓ نہایت پاکیزہ نفس اور عالم وفاضل تھے۔سنہ ۷۰ھ میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فلیت المنایا کن خلفن عاصما فعشنا جمیعا اور ذھبن بنامعا

''کاش موت عاصمؓ کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب رہتے یا لے جانا تھا تو سب کو لے جاتی''۔

بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ ص ۴۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثومؓ جو حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور شعر خوب کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصمؓ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز انہی کے نواسے تھے۔ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں پروتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

''اللہ کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے' کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے''۔

حضرت عمرؓ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں کہ

تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے۔ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں۔ ان کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمرؓ کا کوئی ہم پایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الواقعہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ لیکن فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیک ن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں بہتر سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و ہنر سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے ارسطو بھی مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی تیمور بھی تھے اور نوشیروان بھی امام ابوحنیفہؒ بھی تھے اور ابراہیم بن ادھمؒ بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

لے حضرت عمرؓ کے ازواج و اولاد کا حامیں نے اسد الغابہ کتاب المعارف ابن خلکان کامل بن الاثیر اور فتح المغیث میں لکھا ہے۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا ھتا۔ اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کر کام کرتے تھے۔ عباسی کی عظمت وشان برامکہ کے دم سے تھی لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھے۔ خالدؓ کی عجیب وغریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر ان کو خیال پیدا ہو گیا

کہ فتح وظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیے گئے اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتےتھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے۔ وہ حکومت کو کل کو اس طرح سے چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا ارو جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لیے۔

دنیا مین کوئی ایسا حکمران نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا۔ نوشیروان کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھ داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو اس قس کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے مشہور سلاطین جن مما لک میں پیدا ہوئے وہاں مدت تک حکومت کے قواعد و آئین قائم تھے اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی ن ء بنیاد قائم نہیں کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود ہی کافی ہوتےتھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبہ جات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت فوجداری اور پولیس پبلک ورکس تعلیمات اور صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا ہے۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیض میں دس دس پیوند لگے ہوں کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کو پانی بھر آتا ہو فرش خاک پر پڑ رہتا ہو،

بازاروں میں پڑا پھرتا ہو جہا جاتا ہو جریدہ وتنہا چلا جاتا ہو اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ درود بار نیب و چاوش حشم وخدم کے ام سے آشنا نہ ہو اور پھر یہ رعب وداب کہ عرب وعجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرح رخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر وتیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے۔ تب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروقؓ کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آ گیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی مشغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ۔ ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آ جائے گا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کر لی اور بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ بن پیدا ہوئے مثلاً امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، غزالیؒ اور رازیؒ وغیرہ لیکن انصاف سے دیکھو تو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ کیا اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر تعظیم شعائر' حیثیت نبوت' احکام شریعت' کا عقلی یا نقلی ہونا' احادیث کا درجہ اعتبار' خبر احاد کی قابلیت احتجاج' احکام خمس وغیرہ۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور آئمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت طباعی کا دیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو تو حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا ان ی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص ان کا ہم پایہ ہو سکتا ہے؟ زہد و قناعت تواضع وانکساری وسادگی' راستی وحق پرستی صبر و رضا شکر و توکل یہ اوصاف ہٰں جن میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا لقمان' ابراہیم بن ادھم' ابو بکر شبلی اور معروف کرخی وغیرہ رحمہم اللہ میں ان سے بڑھ کر پائے جا سکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت عمرؓ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

سینه فاروق اعظمؓ را بمنزله خانه تصور ن که درهائے مختلف دارد. در هر درے صاحب کمالے نشسته دریک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باینهمه سلیقه ملک گیری و جهان ستانی و جمع جیوش و برهم زدن اعداء در در دیگر نوشیروانے هاں همه رفق اولین و رعیت پروری و داد گستری(اگرچه ذکر نوشیرواں در محبث فضائل حضرت عمر فاروقؓ سوء ادب ست) و در در دیگر امام ابو حنفیهؒ یا امام مالکےؒ هاں همه قیام به علم فتویٰ و احکام و در در دیگرے مرشدے مثل سید عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجه بهائو الدینؒ و در در دیگرے محدثے بروزن ابوهریرةؓ و ابن عمرؓ و در در دیگرے حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومیؒ یا شیخ فرید الدین عطارؒ و مردمان گرداگرد این خانه ایستاده اند. وهر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست مے نماید و کامیاب می گردد.

شبلی نعمانی

مقام کشمیر

۵ جولائی سنہ ۱۸۹۸ء

The End------------اختتام